







(جلہ حقوق منقولہ)

رسم سالہ

# کبیر ختم سارہی اردو

مختصر حالات گو سائیں تلسی داس مؤلف امان  
مؤلفہ و مرتبہ

پیشی خلیل انصاری مؤلف کتب متعددہ متوطن بانہٹہ ضلع سہانپور

جس کو قربان علی بھلے

دوسری بار ۱۹۶۹ء میں

۱۹۶۹ء میں پبلشنگ ہاؤس کے زیر نگرانی

کبیر صاحب اور گشائیں تلسو صاحب  
 کے حالات زندگی اور اون کے کلام پر مد و نظر جیہ  
 مولوی حاجی محمد خلیل صاحب انصاری ساکن قہر  
 انیس ہٹھ ضلع سہارنپور نے ۱۸۲۵ء میں صوبہ متحدہ  
 محکمہ عنایت کئے تھے اُس وقت وہ ضلع گورکھ پور  
 انسپکٹر تقسیم تھے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا اور اس  
 دوسرا ایڈیشن ہی جو بحسنہ حاجی صاحب کے پہلے ایڈیشن  
 مطابق ہی۔ میں نے ایک صوفی مشرب ہندو بزرگ  
 درخواست کی ہے کہ وہ کبیر صاحب کے دیگر کلام پر تنقید فرما  
 محکمہ عنایت کریں کہ بشرط زندگی تیسرے ایڈیشن میں  
 اس کو شامل کر دیا جائے۔

# دیکھتے

غیر قوم کے پیشواؤں کے حالات پر قلم اٹھانا کوئی جرم نہیں ہے۔ شاہ کبیر کے حالات سننے کا باعث میرے واسطے یہ ہوا کہ میں سلسلہ ملازمت کشنہ ی گورکھپور میں تعینات ہوا۔ صلح اعظم گدہ میں شاہ کبیر کا مولد اور ضلع گورکھپور میں مدفن ہے۔ دورہ کی خدمات وجہ سے مجھے مقام مدفن پر جانیکا اور تحقیقات حالی کا موقع ملا چونکہ واقعات کبیر سب کے دھسپ پائے گئے لہذا جس قدر مختصر طور پر سے قہند کئے گئے۔ اردو اس کوئی ذخیرہ اس بزرگ کے حالات کا مکمل طور سے نہیں ہے۔ نول کشور پر اس کی کتاب بظ ناگری موسوم بہ بیک دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کچھ حالات اور مقولات رامیں ہیں۔ جن لوگوں کو کافی جہارت ناگری میں ہو وہ کچھ فائدہ اس سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک رسالہ "جیون چرتو کبیر داس" اردو میں سوہن لال صاحب کابستہ لکھنوی کشور پر اس لکھنوی میں سن ۱۹۰۷ء کا چھپا ہوا بھی نظر سے گذرا۔ جو نہایت تعصب کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس میں کہیں انت ذبیحہ اور کہیں کبیر صاحب کو ہندو قرار دیکر ایک مسلمان عارف کو ان کا چلیہ ہونا وغیرہ ایسے ہی خرافات درج کئے گئے ہیں۔ اور رزانشا نہایت مہمل اور غیر موزوں ہے۔

ایسے ہی مولف کو قلع باندہ کے قیام میں گشتیں تلمی داس کے مخفی حالات معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ان کا ملن ضلع باندہ تھا۔ اور یہ دولو آنتاب اور ہتھاب اپنے اپنے وقت پر ایسے گذرے ہیں کہ ان کے حالات سے سبق لینے کی ضرورت

ہے۔ پس یہ رسالہ اردو خوان حضرات ہی کے واسطے لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ وہ اہل بصیرت جنگو بزرگوں کے سوانحیات سے دلچسپی ہے اس رسالہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور مولف کی سعی و تلاش کی داد و تحریک عارِ خیرت یاد کر کے اس مقولہ پر عمل کریں گے۔

سائیں ست سنتوش دے بھاؤ بھگت بشواس

صدقِ صہوری سپاںخ دے مانگے داؤد اس

یعنی مدعا یہ کہ انسان کو حق سے دعا کرنی چاہئے کہ اسے سچائی، قناعت، محبت، اعتقاد و مہربان وغیرہ صفات عطا ہوں۔

خاکسار

محمد خلیل الفصاری متوطن انہیہ ضلع سہارنپور

حال

انسپیکٹر محکمہ تقسیم موہہ مقدمہ آگرہ واودھ

یکم جنوری ۱۹۲۵ء

# شاہ کبیر عرف کبیر داس

آڈی گرنٹھ جو سکھوں (چروان گرو نانک) کی مقدس کتاب سے اس میں شاہ کبیر کی زندگی اور اُن کی تعلیم کے مختلف حالات درج ہیں اور یہ اس لئے کہ بابا نانک کو ایک خاص تعلق شاہ کبیر کے ساتھ تھا۔ اور اس تعلق میں اس لئے اور بھی ترقی ہو گئی کہ گرو نانک کو ان سے ذاتی ملاقات کا ثبوت حاصل ہو گیا تھا۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ مذہب شاہ کبیر کے زیر اثر ہیں اُن کی تعداد کم نہیں۔ ۱۹۷۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں علاوہ پنجاب کے دیگر صوبہ جات میں کبیر بنیتی تعداد ۸۴۳۱۷۱ تھی لیکن یہ تعداد صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ شاہ کبیر کا مڑیہ حیثیت ایک مذہبی پیشوا کے بلاشبہ بہت زیادہ ہے۔ ان کو ہندی علم ادب (انشار) کا بانی کہا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ہندی شاعری میں از سر نو جان ڈال دی۔ شاہ کبیر کے دو بے اب تک اکثر فقیر لگی کوچوں میں گائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کی کہاوتیں بحث مباحثہ میں بطور تعبیر کے پیش کی جاتی ہیں اور اہل دل ان کو ہنایت خُشوع و خُضوع کے ساتھ سُنتے ہیں۔ اُن کے اشعار اب بھی بنگال سے پنجاب تک زبان زد خلایق ہیں:-

شاہ کبیر کی زندگی کے حالات قلب بند کرنے کے لئے پورا مطالعہ ملنا دشوار ہے

لے ۱۹۷۱ء ان کی مختصر لایٹ بھی خاکہ، موصوفت رسالہ ہذا نے لکھی ہے۔ ۷۷ سالہ بھی لکھا جاتا ہے۔



اگر کوئی مؤلف اپنی معلومات کو صرف اُن روایات تک محدود رکھے جن میں تاریخ کی جہاں کب پائی جاتی ہے تو یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ شاہ کبیر کب اور کس جگہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے کہاں اور کب انتقال کیا۔ ان کا پیدائشی مذہب کیا تھا۔ انہوں نے شادی کی تھی یا محجّر در ہے۔ اور کس زمانہ میں کہاں کہاں قیام کیا یہ صحیح ہے کہ شاہ کبیر کے نام سے بہت سے جگہ مشہور کئے جاتے ہیں اور گودہ کتے ہی دل خوش کن ہوں لیکن انہی میں صحیح حالات پر روشنی نہیں ڈالتے سب سے زیادہ معاملہ اُن کے حالات کا کبیر پہلو مطبوعہ نول کشور پریس۔ مئی ۱۸۹۵ء میں ملتا ہے یا کچھ جیون چرتر کبیر واس مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۹۵ء میں مگر غیر معتبر حالت میں۔

کبیر پہلی گودہ یہ قبول کرتا ہے کہ شاہ کبیر کی پرورش ایک مسلمان جولاہے کے گھر ہوئی جس کا نام نور یا نیرو تھا۔ مولانا خدا نیکس مارہروی لکھتے ہیں کہ جن تجزیات کے دیکھنے کا انہیں موقع ملا اُن میں شاہ کبیر کی ولادت کا کوئی حال درج نہیں۔ صرف ذیل کی دو روایتیں ہندوستان میں اُن کی پیدائش کی نسبت مشہور ہیں

**پہلی روایت** یہ ہے کہ اُن کی والدہ ایک بیوہ برہمنی تھی جو اپنے باپ کے ساتھ کسی مشہور رشتی کے درشن کو گئی تھی۔ اس خوش اعتمادی کے جملہ میں رشتی نے دعا کی کہ اس عورت کے ایک بیٹا پیدا ہو چنانچہ اُس مقدس شخص کی دعا قبول ہوئی اور شاہ کبیر اس عورت کے بطن سے پیدا ہوئے۔ لیکن مال پنے ناموس کے خوف کو کہیں تک پہنچا کچھ کیسے پیدا ہوا انکو

تھ ولادت حضرت جیسے ہی بدون باپ کے ہوئی اور خدا تعالیٰ

کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

بارہ سو آتی جس کو ایک جولاہی نے اٹھایا، و آئوش محبت میں یکہ بنائی کر لیا۔

یہ واقعہ ایک دوسرے طریقہ سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رامانند نے جو ایک مشہور سادہ ہونے والے ان کی ماں کو عادی تھی کہ بچہ ماں کے گت دست (مہیلی) سے پیدا ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ماں نے بچہ کو لاہار تالاب کے وسط میں گول نیلو فریہ جھاو یا ہتا اور یہیں سے سہا نومان ذویہ نور بانٹ اپنے گھر لے گئی۔ کیر پینچی ہندو کہیں کا نام اسی واقعہ سے اخذ کرتے ہیں۔ اور کیر کے لفظ کو گھنچ مان کر لفظ سنسکرت (کیر) بتاتے ہیں کہ بعض ہاتھ اور بیر یعنی دیو۔

رامانند سادہ ہو جس نے کیر کی پیدائش کی و عادی تھی ان کے بارہ چیلے تھے جن میں ایک کیر کا بھی نام دیا جاتا ہے۔ کیر کو اپنے گرد کی تعلیم کی شہرت بنگالہ میں دینے کا خوب موقع ملا۔ رامانند نے کوشش کی تھی کہ ہندوؤں کی متعدد ذاتوں کو ایک دھرم میں مجتمع کرے۔ لیکن کیر نے جب دیکھا کہ علاوہ ہندو کے ہند میں اور لوگ بھی بستے ہیں تو پندرہویں صدی کے شروع میں اُس نے قصد کیا کہ ایک ایسا دین قائم کرنا چاہئے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوں۔ کیر پنچوں کی کتابوں میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہندو مسلمان کا خدا ایک ہی ہے اور اس کا نام شبرو پ ہے۔ ہندوؤں کے خدا کا گھر شہر بنارس اور مسلمانوں کے خدا کا مکہ ہے۔

رامانند کے چیلے ہونے سے پہلے کے حالات کیر کی بابت معلوم نہیں ہوئے اور ہوئے تو بہت مختصر۔ رامانند ایسے منتخب ہندو تھے کہ مسلمان کا منہ نہیں دیکھتے تھے۔ سکندر لودی اُن سے ملنے گیا تو انہوں نے منہ پھر کر بات کی اسکو قصہ آیا

اور تلوار سے دو ٹکڑے کر دے۔

عہد طفولیت سے اُن کے سر میں مذہب کا سودا بھرا ہوا تھا۔ گو سوتیلے باپ نے اُن کی شادی بھی کر دی تھی جیسا کہ آگے چل کر ہم لکھیں گے۔ لیکن انہیں بیوی بچوں نے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ وہ بنارس میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک دن انہیں گھر پہنچنے کا خیال نہ رہا اور دریائے گنگا کے گھاٹ پر رات کو پڑا کر سو رہے۔ اتفاق سے رامانند مشہور واعظ اور عابد ایشان کے لئے آئے۔ اندھیرے میں کچھ اُن کو معلوم نہ ہوا۔ اور ان کا پاؤں کبیر کی چھاتی پر جا پڑا۔ جوں ہی انہیں انسانی جسم محسوس ہوا بے ساختہ منہ سے نکلا "رام رام" کبیر کھل کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے "آخر کار میں نے اُسے پایا"۔ رامانند کبیر کے بٹھرہ سے آثارِ سعادت پا کر اپنے ساتھ لے آئے اور وہ اُس دن باضابطہ اُن کے مذہب میں داخل ہوئے۔ اس قصہ کو دوسری طرح بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ متعصب مؤلف کبیر جیون چرتر نے لکھا ہے۔

یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ وہ کب تک اپنے گرو کی اطاعت میں ثابت قدم رہے۔ بظاہر مرشد کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت اور تلقین شروع کی۔ بتوڑے ہی عرصہ میں کبیر اپنے مرشد سے آگے بڑھ گئے اور اُن کا مذہب ہند کے موجودہ مذاہب کے مقابلہ میں بہت طاقتور ثابت ہوا۔ وہ ملک میں محفرتِ الہی کا گیت گاتے پھرتے تھے۔ ان کی نہ کوئی ذات و قوم و ملت تھی نہ وہ کوئی بت یا علمِ لاهوت (دیو مالہ) رکھتے تھے۔ وہ صاحبِ باطن اور عشقِ الہی کا راگِ گانے والے تھے۔ انہوں نے نہ فیصلہ کل تعلیم کے کمالِ جرأت کل مذاہب کو غیرِ مذہبی ثابت کیا۔ ان کی قلبِ عشقِ الہی تھی۔ دوسری روایت - جو اُن کی پیدائش کے متعلق بیان کی گئی ہے -

سب ذیل ہے۔ کبیر کسوٹی میں لکھا ہے جو ایک مذہبی رسالہ ہے وہ ۱۸۷۵ء میں بمقام  
 بمبئی شائع ہوا۔ یہ رسالہ پانچ کبیر پینچتوں کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے جس میں نہ صرف  
 مختلف کتابوں بلکہ زبانی روایات سے بھی بہت کچھ ماخوذ ہے عبارت یہ ہے سیوک  
 ہو کر اوکر پر پھوٹی ماں ہے۔ یعنی کبیر آسمان سے اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہو کر زمین پر  
 اُترا۔ کبیر کی پیدائش کے وقت عجب نظارہ تھا گل نیلوفر کھل رہے تھے۔ طاؤس لب  
 آب رقص کر رہے تھے۔ لعل لعل تالاب پر قربان ہو رہے تھے۔ بجلی کی روشنی اور بادل  
 کی گرت دلوں کو دھار رہی تھی کہ وسط لاہار تالاب میں گل نیلوفر کی پنکھڑیوں پر کبیر کا  
 ظہور ہوا۔ نورا جولاہے کی نئی ذیلی دہن جو اپنے گھر سے رخصت ہو کر سسرال جا رہی تھی  
 تشنہ دہن لب آب بجاپہنی بچے کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔ اس کے دل میں طرح طرح  
 کے خیالات موجزن تھے۔ اُسکی خیال ہوا کہ یہ بچہ غالباً کسی نوجوان کم سن بیوہ جیاسور  
 کی زندہ شہادت ہے۔ نورانے کہا کہ آؤ بچے کو اپنے گھر لے چلیں لیکن نومان نے انھیں  
 سے کہ مبادا بعد میں کوئی فتنہ و فساد برپا ہو پیسے انکار کیا آخر بچے کی حالت زار پر رسم  
 کھا کر ارضی ہو گئی۔ گھر میں اُسکو بیکر پوچی تو عورتوں نے متعجب ہو کر پوچھا شروع کیا  
 نہ بچہ کس کا ہے اور ترسے ہاتھ کیونکر آیا۔ نومان نے جواب دیا کہ میں نے یہ بچہ ہمیں جتنا  
 جھگوسراہ ملا ہے یہ سنکر عورتوں نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ کبیر پینچی جماعت کے  
 مطابق کبیر کا سال پیدائش ۱۸۹۵ء اور سال وفات ۱۸۷۵ء ہے جس سے ان کی عمر  
 ۲۰ سال کی ہونا پائی جاتی ہے۔

۱۔ خادم۔ ۲۔ صاحب عزت سے نام جو نور  
 ۳۔ بعض کی رائے میں پیدائش ۱۸۷۵ء یا ۱۸۷۶ء کے کسی گاؤں میں ہوئی۔ ان کے مال باپ  
 سلمان تھے۔ دیہوتی گوٹ مورخہ حکیم نور محمد ۱۹۲۵ء

# کبیر کی موجودگی سکندر لودی کے زمانے میں ۱۴۸۸ء میں پائی جاتی ہے

ضلع بنارس کے سرکاری گزٹ میں لکھا ہے کہ شاہ کبیر مقام بہار یا بلہرہ جو ضلع اعظم گڑھ میں ایک موضع ہے پیدا ہوئے (مؤلف کی تحقیقات سے قیام ضلع اعظم گڑھ میں نام موضع بلہرہ پٹہ بیروز پور تحصیل محمد آباد پایا گیا) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کبیر نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس کا نام لونی تھا اور اُس کے بطن سے دو بچے ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکے کا نام کمال اور لڑکی کا کمالی تھا۔ لونی کی شادی اور ان بچوں کی پیدائش کا طریقہ نہایت عجیب و غریب بیان کیا گیا ہے۔ شاہ کبیر کی ولادت سے زیادہ ان بچوں کی آفرینش حیرت انگیز ہے شاہ کبیر کو خدا نے ایک انوکھے طریقہ سے پیدا کیا لیکن یہ بچے بقضائے الہی فوت ہو گئے اور شاہ کبیر نے ان کو زندہ کیا۔ ان کے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

ایک روز شاہ کبیر گنگا کے کنارے ایک بن کٹھی پیراگی کے درشن کو گئے تھے کہ وہاں اُن کو ایک لڑکی ملی جس کی عمر تین ماہ کی تھی۔ لڑکی نے کبیر سے ان کا نام دریافت کیا۔ شاہ کبیر نے کہا کبیر۔ پھر ان کی ذات اور ہمیش دریافت کیا۔ شاہ کبیر نے پھر وہی جواب دیا کبیر۔ لڑکی نے اس پر اظہار تعجب کیا اور کہا کہ یہاں اکثر سادہ ہوتے ہیں لیکن اس قسم کا جواب آج تک کسی نے نہیں دیا۔

لڑکی سے جب اس کے حسب و نسب کی بابت دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میرا نام

کمانی کی عمر بیس سال کی تھی کہ وہ ایک روز کنوئیں پر پانی بھر رہی تھی۔ ایک تشنہ لب برہمن نے اس سے پانی لے کر پیا۔ اس کے بعد اس نے لڑکی کی ذات پر بھی جب برہمن کو معلوم ہوا کہ وہ ایک جولاہے کی لڑکی ہے تو برہمن نہایت ناخوش ہوا۔

اور کہا کہ اے لڑکی تو نے مجھے بے دھرم کر دیا۔ کمالی اس کی ناخوشی پر نہایت متعجب ہوئی اور اسکو شاہ کبیر کے پاس لے گئی۔ شاہ کبیر نے اس راز سے واقف ہو کر کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تاپاکی کیا چیز ہے۔ چھیلیاں کچھوے۔ خون۔ نمک۔ مٹھے ہوئے پتے جانوروں کی لاشیں۔ یہ سب چیزیں پانی میں رہتی ہیں۔ زمین کے پتے کروڑوں آدمی دفن میں۔ ہر قدم جو اٹھتا ہے کسی نہ کسی لاش پر پڑتا ہے۔ اور اس مٹی سے وہ برتن بنتے ہیں جن میں تم پانی پیتے ہو جب تم پو کے میں جاتے ہو تو چھوت کے خوف سے اپنے کپڑے اُتار کر ایک دھبوتی باندھ لیتے ہو جسکو جو لاپے بنتے ہیں۔ کھیاں جو غلاظت پر بیٹھتی ہیں تمہارے کہانے پر آتی ہیں۔ آخر تم یہ سب باتیں کیونکر روک سکتے ہو۔ یہ تو ہمارے خدا کیلئے دل سے نکالو۔ اور ویدوں کو پڑھو۔ پندت کی درخواست پر شاہ کبیر نے اسکو سہنتہ نام کی تعلیم دی۔ اور کمالی کے ساتھ اسکی شاہوی کر دی۔

شاہ کبیر کی صداقت اور راستبازی خصوصاً ذات کے تفرقے کی مخالفت سے اُن کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ان کے برخلاف تھے۔ اور سکندر لودھی سے درخواست کی کہ یہ شخص خطائی کا مدعی ہے اور اس جرم کا مجسمہ قابلِ وار ہے۔ سکندر لودھی کی عدالت سے کبیر کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا لیکن وہ دن بھر دربار شاہی میں حاضر نہیں ہوئے۔ شام کو جب آئے تو پوچھا گیا کہ تم نے حاضری میں اس قدر توقف کیوں کیا۔ جواب دیا کہ میں ایک تماشہ دیکھنے میں مصروف تھا۔ پھر دریافت کیا گیا کہ وہ تماشہ کیا تھا جس نے تم کو فرمان شاہی کی تعمیل سے باز رکھا۔ جواب دیا کہ میں اونٹوں کی قطار ایک ایسے راستے سے نکلتے دیکھ رہا تھا جو سوئی کے ناکے سے بھی زیادہ باریک تھا۔ بادشاہ نے اُسکے بیان کی تردید کی۔ شاہ کبیر نے کہا اے بادشاہ یہ امر قابلِ غور ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان

کس قدر نامصلہ ہے اور بے شمار دنٹ اور ہاتھی روئے زمین پر موجود ہیں لیکن ہم ان کو اپنی آنکھوں کی پتلی سے دیکھ سکتے ہیں جو سوئی کے ناکے سے ابھی چھوٹی جوتی ہے بادشاہ کی نیت ہوئی کہ ان کو رہا کر دے لیکن لوگ جھگلائے اور بادشاہ سے عرض کی کہ ہماری درخواست پر کچھ بھی لحاظ نہیں ہوا۔ شیخ نقلی جو کہ ایک بزرگ اور مسلمانوں کے پیشوا تھے انہوں نے فرمایا کہ خدا اور رسول کے خلاف اس کا مسلک ہے۔ برہمنوں نے الگ ان کو بید معمر قرار دیا اور اس کے نبوت میں یہ بحث پیش کی کہ انکا میں جوں ایک بدنام عورت اور مرد چار رے واس نامی سے ہے۔

بادشاہ عوام الناس کا جانب دار تھا شاہ کبیر کی سزائے موت کا حکم دیدیا۔ انکی ہلاکت کیلئے چند تدابیر عمل میں لائی گئیں لیکن بے سود ثابت ہوئیں۔ ایک مرتبہ کشتی میں عرق آب کئے گئے لیکن زندہ بہتے ہوئے نظر آئے۔ دوسری مرتبہ مکان میں زندہ جلا یا گیا لیکن جب شعلے فرو ہو گئے تو وہ دوبارہ زندہ نکل آئے۔ تیسری مرتبہ ایک غضبناک ہاتھی کے پیر میں باندھنا تجویز ہوا لیکن ہاتھی ایک شیر کو درمیان حائل ہو گیا تھا، دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اسے بعد بادشاہ نے نام ہو کر شاہ کبیر سے معافی چاہی اور کہا کہ جو سزا آپ تجویز فرمائیں میں اس کے قابل ہوں۔ شاہ کبیر نے فرمایا جو اپنے لئے کاٹنے بولے اس کے لئے پھول بونا چاہئے۔ شاہ کبیر کا علمی مذاق اس کی ہندی شاعری سے معلوم ہوتا ہے ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے شاہ کبیر کے بعض اشعار کی شرح کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

بند و ناداکی۔ نادا ہیں بند

نادا ہیں بند ملے گو بند۔

بند کے معنی خاموشی اور نادا کے معنی آواز کے ہیں اور آواز بھی وہ آواز جو بالکل



عاموشی اور تہائی میں جبکہ انسان صدق دل سے مصروف بن جا ہو۔ ایسی حالت کو مسلمانوں میں مراقبہ اور بندوؤں میں سادھی یا دھیان گیان کہتے ہیں۔ ہندی زبان کا فاضل بندو اور ناوا کے معنی دوسرے الفاظ میں چپت اور آنتد بھی بناتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب انسان بالکل خاموشی اختیار کر کے اپنا چپت پریشور کی طرف لگا تا ہے تو بدھی اُس کے کانوں میں آنتد کی شیریں مٹریں ڈالتی ہے اور اس وقت پر م آنتا کو پہچانتا ہے۔

اس مضمون کو ایک انگریزی شاعر بھی جو دریائے نقیون کا آشنا معلوم ہوتا ہے ذیل کے الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ میرے آنکھ اور کان بند ہیں۔ تاریکی اور خاموشی کا سماں ہے لیکن ایک ہنایت باریک اور شیریں مٹری لگر بالکل صاف آواز آ رہی ہے۔ بابا میں تو بہرہ بہتا مگر اب سب کچھ سُن رہا ہوں۔

ایک اچھیا ایسا لب

کرنی سے کارن مٹ گیا

کبیر صاف فرماتے ہیں کہ ہزار ہا تجربات کئے ہیں مگر ایک تجربہ مجھ کو سب سے عجیب حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ کرنی انسان کو آئندہ کارنوں سے خلاصی دلا دیتی ہے۔ کیونکہ ہم فعل کا کچھ نہ کچھ انجام ضرور تو لیتے خواہ نیک ہو یا بد۔ اگر وہ فعل اچھا ہے تو انسان کو فطرۃً خوشی محسوس ہوتی ہے اور اگر وہ فعل بد ہے تو انسان خواہ لوگوں کے دکھائے کیلئے خوشی منائے لیکن اندر سے اُس کا دل ضرور رنج محسوس کرتا ہے اس کو کرنی کہتے ہیں۔ اور بخیا اہل ہنود کرنی کا پھل دوسرے جنم میں ملتا ہے یعنی دوسرے جنم کا دار و دار اُس کے نیک و بد افعال پر ہوتا ہے اس مسئلہ کا نام تناسخ آواگون ہے۔ اگر فعل اچھے ہیں تو انسان کسی اچھی جون میں آئیگا اور اگر فعل بُرے ہیں تو کسی غلط جانور کا خلعت اختیار کرے گا۔ کبیر صاحب اس مسئلے کو

مانتے ہوئے اختلاف رائے بھی رکھتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ آواگون اُس وقت تک ہی محدود ہے جب تک کہ انسان خدا کے تعالیٰ سے الگ الگ پھرتا ہے لیکن جب وہ بالکل خدا کا ہو گیا تو اسکو نیک و بد کی تمیز جاتی رہی۔ اس کے تمام افعال مرتج بہ نیکی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اسکو بار بار جون اختیار کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

تو جاتے ہو دو درجہ پر ہر درجے میں  
اندر تیرے کپٹ ہے تاسے دیکھت نہیں

لوگوں کا خیال ہے کہ مخلوق مذکریم ہم سے بہت دور رہتا ہے۔ نہیں یہ خیال غلط ہے وہ تو ہمارے دلوں میں ہے۔ وہ ہمکو اس لئے نظر نہیں آتا کہ ہمارے دلوں خیالات بد بھرے ہوئے ہیں یہی خیال صوفیائے کرام اہل اسلام کا بھی ہے خدا شہرگ سے بھی قریب تر ہے اور بصدق سخن اقرب الیہ من جبل الیوریل لیکن اس کے دیکھنے کے لئے باطن صاف اور شپہ بینا چاہئے۔

غیبی آیا غیب سے اور وہاں لگائے غیب  
الٹ سماوے غیب میں تو مت باؤ سب غیب

کہہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان عالم روح کو عالم جسم میں جب قفس روح میں گرفتار ہوا تو عالم ارواح کی تمام باتیں بھول گیا یعنی وہ کہاں سے آیا اور بس لئے آیا ہے۔ درخامہ دنیا پرست بن گیا لیکن اسکو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ الٹ سماوے غیب میں یعنی اسکو بچو اپنے اصل مسکن کی تلاش میں مصروف ہونا چاہئے۔ بلا اس مقصد کے حاصل لئے اس میں جو دنیا پرستی کا وزن لگ گیا ہے اسے نہیں سکتا۔

ایسے انت الیہ لے دیے اور تھیلے —  
بہ کہوں تو سست کر دیتے بھیجے کہوں تو جھوٹا ہے  
بہر بھیجے سفل زرخیز کو دیو پنے تو میٹھا ہے

تت (درستی یعنی خداوند کیم) کی تلاش کیلئے استقلال اور صبر و کار ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ نت تو بہت میں پیش قدمی کرنے میں مل سکتا ہے تو اس سے میرا مرشد نادم ہوتا ہے۔ اور اگر میں کہوں کہ کچھ نہ کرو مرشد خود ہی ایک دن نت کو ملا دلیگا تو یہ محض جھوٹ ہے اس لئے میں کہتا ہوں نت کے پانے کے لئے مرشد کامل اور ریاضت دونوں کی ضرورت ہے

جوگی و گہر سے بڑا کپڑے رنگے لال سے

واقف نہیں اس رنگ سے کپڑا رنگ کر کیا ہوا

بعض خود مختار اور گندم ناب و فروشن جوگی گیرے کپڑے پہنتے ہیں لیکن جب وہ رنگ کی

اصلیت سے ہی ناواقف ہیں تو رنگے ہوئے کپڑے پہنتا لامعاصل ہے۔ شاہ کبیر کے اس کلام کا مفہوم

یہ ہے کہ زائدانہ لباس زیب تن کرنے سے بے عمل انسان زائد نہیں بن سکتا۔

ان خشک زائدوں کو نہیں ہو دکامرا

یہ شال پوش قدر نہ جانیں گلیم کی

چور اگر صوفیانہ لباس پہن بھی لیتا ہے تو گو وہ دنیا داروں کو کچھ عرصہ کے لئے دھوکہ

میں رکھ سکے لیکن آخر ایک دن چور ثابت ہو گا۔ اگر کوئی رنگے ہوئے کپڑے پہنتے تو

اس کو چاہئے کہ ان رنگ کے معنوں کو بھی سمجھ لے۔ اچلی تصوف میں گیر واز رنگ علامت

ہے الفت ربی کی۔ زرد و فراست و فہم کی۔ نیلا محو عبادت الہی کی۔ سبز تلقیب و خاندان

بنوت کی۔ علی بذات نقیس دیگر رنگوں کے بھی جدا جدا مفہوم ہیں۔

پنچھی اڑا لگن کو پڑ رہا پردیش

پانی نیچے چوخی بن بھول گیا وہ دیش

ایک پر غم عالم بالائی طرف سرگرم پرداز ہوا (روح آسان کو مجانی ہے) لیکن

اس پر نہ کا سر نہیں ہے یعنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اس کا کوئی رہبر نہیں ہے نہ اس کا منہ ہے نہ آنکھیں نہ زبان نہ کان۔ لیکن بلا منہ وہ امرت جل (آب حیات) پیتا ہے (جسمانی زبان آب حیات کے پینے سے معذور ہے) جب وہ پرند اپنے مسکن پر واپس پہنچ گیا تو پرورش یعنی عالم ہستی کی تمام باتیں بھول گیا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں کہ ابدی عالم کو صرف روح باقی ہے۔ وہاں ہونے کیلئے ذہن اور ذہن اور دماغی طاقتوں کی بالکل ضرورت نہیں۔ ایک مقام پر شاہ کبیر کے ایک شعر سے بت پرستی سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

پتھر بوجے ہرے تو ہم پو نہیں پہاڑ  
اس سے تو کچھ بھلی کہ جس کھا خوشا

ایسے ہی ایک شعر میں حسرت و یاس کا اظہار کرتے ہیں کہ انسان المینان سے نہیں رہ سکتا۔

چلتی چاکی کھجور دیا کبیر روے

دو پاؤں کے پیچ میں ثابت پچا نہ کوئے

یعنی چلتی ہوئی چکی دیکھ کر کھجور کوئے روئے لگے اور کہا کہ دو پاؤں میں اگر دمراد زمین و

آسمان اکوئی ثابت نہیں رہ سکا۔ اسی طرح توکل کے متعلق فرماتے ہیں

چاکی چاکی سب کہیں مانی کچھ نہ کوئے

مانی سے جو لگ رہا بال نہ بکا ہوئے

چکی چکی تو سب پکارتے ہیں مگر مانی (وہ ریخ یا کیل جو چکی کے پیچ میں ہوتی ہے،

اس کا کوئی تادم نہیں لیتا۔ حالانکہ وہی ریخ یا مرکز دمراد خدا) ایسا ہے کہ جو اس سے لگا رہتا

ہے اس کا بال بیکا نہیں ہوتا اور درحقیقت وہی وانہ جو ریخ کے قریب رہے یا اس

سے لگا رہے کبھی نہیں پستما۔

## وحدت کے متعلق ہلکتے ہیں

اللہ انہوں ایک ہی چچ پڑا ہے وہو کہہ  
کہتے کہ یہ سنو بھائی سادہ موچا دل کہو کہہ پو کہہ

مؤلف کا یہ کثر شے اشعار کبیر کے دیکھے گئے ہیں جن سے ان کا دھیان کیان دور تو حد سب  
معلوم ہوتا ہے۔ انہیں وجہ سے معتقدان کبیر نے اس امر کی کوشش کی کہ کبیر کو ایک سادہ موچا  
جامہ پہنا دیا جاوے۔ اور ان کو سادہ بنانے کے لئے کبیر پنچیتوں نے عجیب غریب فعل اور دور  
کار روایتیں ان کی ذات سے منسوب کر دی ہیں۔ ابتدا سے ولادت سے ان کی زندگی کا ہر واقعہ  
ہنایت عجیب و غریب پیرائے میں بیان کیا گیا ہے خود ان کی پیدائش ہی ہندوؤں کے اوتار کی  
طرح ایک نرے طرے سے ہوئی لیکن ہر واقعہ کو بہ نظر غور دیکھنا چاہئے۔ آوی گرنہ میں کبیر صاحب  
کا حسب ذیل منقولہ درج ہے۔ میراج دور یاے گو متی کے کنارے پر ہوتا ہی جہاں میری سر پرست  
گیر واپوشاک زیب تن کئے ہوئے سبکدنت پذیر ہیں۔ بظاہر یہاں جو پورا کا جو والد دیا ہے جو ریاض  
گو متی کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ شہر سلاطین شرقی کا پایہ تخت تھا جس میں ابراہیم شرقی علم و فضل  
کا بڑا قدروان اور ربی تھا جس کا زمانہ ۱۱۸۵ھ سے متصل ہے یہ مقام نہ صرف علم کا مرکز تھا بلکہ  
بڑے بڑے صوفیائے اہل کام اور جید علماء کا قیام گاہ تھا لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ کبیر کو ان میں سے  
کسی سے ارادت تھی لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبیر کی تعلیم سے بہ کثرت مسلمان اور  
ہندو ناخوش بھی تھے ممکن ہے کہ سکندر لودی جب ۱۵۱۹ء میں جو پور آیا تھا تو دونوں فریقوں نے  
اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ان کی شکایت کی ہو اور ان کی ہلاکت کے ورپے ہوئے ہوں مسلمان  
حکمران صوفیائے اسلام کو مذہب کی تحقیق و تنقید میں بہت زیادہ آزادی دیتے  
تھے آخر پر ہم چند اشعار کبیر صاحب کے ہدیہ ناظرین کرینگے۔

تھے اس لئے ان کے دشمنوں کو اندیشہ تھا کہ مبادا ان کو معلوم کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بادشاہ نے ان کی جان بچھڑی۔ البتہ اس قدر ضرور قرین قیاس ہے کہ کبیر اس واقعہ کے بعد شہر بدر کر دے گئے۔ تاکہ عوام الناس براہین سے نہ ہوں۔

محمد حسن فانی نے اپنی ایک ذریعہ تفسیف میں لکھا ہے کہ کبیر مودت تھے۔ وہ راہ حق کی جستجو میں صوفیائے کرام اور ہندو سادہوں سے اکثر ملا کرتے تھے۔ اسی کتاب سے ذیل کا قصہ ماخوذ ہے ایک روز چند برہمن گنگا کے پانی کے پاک ہونے کے اوصاف پر بحث کر رہے تھے کہ شاہ کبیر نے اپنے لکڑی کے پیالے میں پانی بھر کر ان کو پینے کے لئے دیا۔ وہ ایک چھوٹی ذات کے آدمی کے برتن میں پانی پینے کے خیال سے پریشان ہو گئے۔ کبیر نے اس پر کہا کہ گنگا کا پانی اگر میرے پیالے کو پاک نہیں کر سکتا تو میرے معاشی کو کیونکر دھوسکتا ہے۔ ابو الفضل نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے کہ کبیر قوم کا جولاہہ اور مودت تھا۔ کبیر کے جولاہہ ہونے کی بابت سندوں کا یہ بین ہے کہ کبیر پیدائشی ہندو تھے۔ انہوں نے صرف ایک مسلمان جولاہے کے گھر پرورش پائی تھی لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم ایک اور بات پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ۔ کل مولودین لد علی الفطرت الا اسلام۔ یعنی مخلوقات انسانی کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے۔ پھر اس کے مال باپ اسکو اپنا جیسا بنا لیتے ہیں اگر کبیر کی ہندو پیدائش ہی مان لی جاوے تو نشوونما مسلمان کے گھر ہونا دلیل ہے کہ وہ اسی جماعت سے ہیں اور ان کا پیدائشی ہونا ان کے نام سے ظاہر ہے۔ کبیر لفظ عربی ہے اور ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ کبیر نام عربی ماوے سے ماخوذ ہے نیز کبیر صاحب کے مودت ہونے کی بجائے شہادت بھی ملتی ہے۔ مسلمانوں نے کسی زمانے میں بت پرست کو لفظ مودت سے تعبیر نہیں کیا۔ ہنود کا یہ عقیدہ کہ مودت نہیں تھا

چند غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔

اول تو یہ کہ مابعد زمانہ میں جو تعلیم کبیر منجھتوں نے پھیلائی اس کا مافذ کبیر خیال کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جبکہ کتاب کبیر ہمارے لفظ اس کے ذاتی عقائد کا عکس سمجھا جاتا ہے اور فی الحقیقت یہ دو بڑے وجوہ ہیں جن سے وہ کہتا ہے کہ کبیر ضرور ہندو تھے مگر ذرا سے غور کے بعد یہ سطحی تاریکی دور ہو جاتی ہے اور اصلیت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

مسلمان مسنیفین نے لکھا ہے کہ مثل دیگر مونیائے اسلام کے شاہ کبیر کا بھی عقد ہوا تھا اور جیسے کہ مسلمانوں میں دستور ہے اسکی زوجہ کا نام کہیں مذکور نہیں تھا اس لئے ہندوؤں نے اسکا ہندی نام گمرا اور لونی رکھا یعنی ادنی چادر آدھی گونٹھ میں بھی شادی ہونے کا ذکر آیا ہے یہی بیان کیا گیا ہے کہ کبیر صاحب اولاد تھے۔ ان کے ایک بیٹا تھا جس کا نام انہوں نے کمال رکھا۔ اب یہاں نام کی بابت پھر وقت پیش آتی ہے۔ اور جو لوگ کبیر کو ہندو سادہ بتاتے ہیں کیونکر اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں کمال کو سنسکرت میں تبدیل کرنا غیر ممکن معلوم کر کے اسکو صرف ہندی کا جامہ پہنانے کی کوشش پر اکتفا کی ہے اور اسکو مکمل بنایا ہے لیکن یہ تاویل نہایت بعید از فہم ہے ہندوؤں کی زبانی ایک گاؤں میں تولد کو یہ واقعہ کھلا کہ شاہ کبیر کا یہ مقولہ ہے۔

جو کبیر کاشی میں مرہیں دلے کون ہنورا ہے

یعنی کبیر اگر کاشی میں مر جائے گا تو وہ جنت میں ہی جائیگا اس لئے کہ کاشی بخیال اہل ہندو جنت سے اسیں خدائے تعالیٰ کی کیا نصیت ہے۔ اگر کہیں دوسری جگہ مرے اور کاشی میں پہنچ جائیں تو خدا کی مہربانی قادر ہو سکتی ہے۔ ان کہات شاہ کبیر کے بعد قدرت سے ایک گھوڑا آگیا وہ تمام شہر میں پھرا کہ کوئی اسپر سوار ہو جائے مگر کوئی سوار نہ ہو سکا جب کبیر کے نزدیک آیا تو انہوں نے کہا ہم کو اسپر چڑھاؤ مشہور ہے کہ کبیر نے اپنے ہاتھ پاؤں اس امید پر کٹاؤئے تھے تاکہ میں کاشی سے کہیں نہ

جاسکوں اور دوسری جگہ مذہبوں تو سیدھا بکینہ کو روانہ ہوں جو اسی مقام پر بس لیکن گھوڑا کیسے کو سیکر چلایا  
اور مگر غلط فہم کو کچھور میں جا کر گر لویا۔ اس لئے کبیر کے حالات وفات کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کی زندگی  
کا خاتمہ مذکورہ بالا مقام پر ہوا۔ اس مقام میں مدفون کو ہم نے حکیم خود جا کر دیکھا۔ ریلوے اسٹیشن  
مگر سے قریب آدھ میل ہے راستہ صاف نہیں ہے۔ مزار ایک پختہ چھار دیواری سے محدد ہے  
جس کے دو دروازے ہیں۔ احاطہ کے اندر چند مکانات شاگرد پیشوں کے سے بنے ہوئے ہیں۔ جواب  
غیر آباد ہیں۔ ان مکانات میں چند نشانہ قبروں کے بھی پائے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ فرضی  
طور سے بنائے گئے ہیں۔ دراصل کوئی مردہ مدفون نہیں ہے۔ دو درخت زبردست اعلیٰ کے  
کھڑے ہوئے مزار پر سایہ افکن ہیں۔ دو گائوں شاہی دقت سے معافی مزار کے متعلق ہیں ایک  
سہو معافی مسلمانوں کے اہتمام و مول تحفیل میں ہے۔ دوسرے موضع بلو ہندوؤں کے متعلق معافی  
ہے۔ ایلح اللہ فامانت اللہ مجاور مزار کے ہیں۔ یہی لوگ ہمارے دار کی خبر گیری کرتے نظر آتے ہیں  
ہم جب احاطہ مزار میں داخل ہوئے ایلح اللہ گانوں سے پاس ہی ہے دوڑا ہوا آیا اور خاطر  
تواضع سے پیش آیا۔ میرے ملازم میرا جو کوٹا نشہ کھلایا۔

مزار کے برابر ایک دوسرا احاطہ بطور سادہ کے بنا ہوا ہے جہیں ایک مستقل ساوہو  
رہنا ہے۔ جو تحائف بارشاد ہند دلتے ہیں اس کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ ہم کو بھی اس  
ہندو ساوہو نے جس کا نام گینا داس ہے تھوڑی سی مٹھائی دی جو بطور تبرک کے تھی۔  
مرحوم سے قدس ہو سہو تھی ہوئی آئی ہندی بہتی ہے جہاں برسات میں لطف نظارہ  
ملتا ہے۔ انیسویں مزار کے متصل ایک مسجد بھی غیر آباد پورانی عمارت کی موجود ہے۔

لے اب مگر ضلع بستی میں منتقل کئے جائیں۔ ستھ اس کا نام چہن پاؤ کا ہے۔



اس کو کبیر کی مسجد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے بھو کبیر کا مسلمان ہونا پایا جاتا ہے۔ ہمارا  
 بیسٹ انشائی کو عرس ہوتا ہے۔ گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے بھی اپنی جھٹی تہری سینیٹ مورخہ ۱۷ اپریل  
 ۱۹۳۲ء میں بچہ پیر سالانہ روشنی روضہ شاہ کبیر کے لئے منظور فرمائے ہیں۔ ایسے ہی ایک  
 مہلہ ہندوؤں کی جانب سے ہوتا ہے دور دور سے لوگ ہندو مسلمان آتے ہیں۔ دونوں  
 مدفن برابر بنے ہوئے ہیں احاطے جدا جدا ہیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ مقام ہے جہاں اُن نے  
 پھول دفن کر دئے گئے یا وہ غائب ہو گئے۔ مسلمان اپنے مزار کو مقام مدفن قرار دیتے ہیں  
 غرض کہ اپنے اپنے خیال سے کام لے رہے ہیں۔ دونوں دیہات کی معافیات سے خود بھی  
 کھاتے پیتے ہیں۔ اور صد اور وارو کی بھی خاطر تواضع کرتے ہیں۔

گہر گاؤں ہے مقبرہاں کا ایک کپڑا سہن نامی مشہور ہے۔ اعلیٰ درجہ کا تھان آٹھ دس روپے  
 کو آتا ہے جس کے بڑے بڑے درجہ والے آدمی کوٹ تپون بناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شاہ کبیر  
 کے انتقال کے بعد مسلمان اور ہنود میں یہ بحث پیش آئی کہ آیا شاہ کبیر کو جلا یا جائے  
 یا دفن کیا جائے اس کا تفسیقہ عجیب و غریب طریقے سے ہوا دوران بحث میں شاہ کبیر خود ظاہر  
 ہوئے اور انہوں نے ہدایت کی کہ کفن اٹھایا جائے۔ کفن اٹھا کر دیکھا گیا تو بجز چند پھولوں کے  
 اور کچھ نہ تھا کچھ پھول ہندوؤں کے سرگروہ رانا پیر سنگھ گھجید یہ لکھکر بنارس لے گئے کہ ہمارے  
 ست گرو تھے ہم ان کا گریاکرم کرینگے اور ان کو وہاں پر جلا یا اور خاکستر پر ایک مٹھ بنوایا  
 جو کبیر چوراکے نام سے مشہور اور کبیر پنجیتوں کی جاترا کا مقام ہے۔ کچھ پھول بڑی خاں  
 مسلمان نے بجا کر گہر میں جو ضلع گورکھپور میں ہے دفن کر دئے اور وہاں ایک  
 مقبرہ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں تعمیر کرایا کیونکہ کبیر کی وفات اسی مقام پر ہونا

سنہ ایک کتاب میں بھلی خان نام تحریر است ممکن ہے کہ بڑی خاں بلوڈکر بھلی خاں ہو گیا ہو۔

بیان کی گئی ہے کہ کبیر کی بزرگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دو مختلف مذاہب کے لوگوں نے اس طرح الوہیت کا مرتبہ دیا اور عرفی شیرازی کے قول کو چسپان کر دیا۔  
چنانچہ بایک بد عرفی بسر کن پلہس از مردن + مسلمانیت بزم شہید و جند و سبوز امنہ  
ایسے ہی حضرت خواجہ معروف عرفی کے متعلق تذکرۃ الصالحین میں جنازے پر جھگڑا ہونا لکھا ہے یعنی آپ کی وفات پر ایک عجیب اختتام پیدا ہو گیا۔ یہودی کہتے تھے ہم اپنے رسوم کے مطابق دفن کریں گے۔ عیسائی کہتے تھے ان کا جنازہ ہم اٹھائیں گے۔ اہل اسلام کہتے تھے کہ انکا خاتمہ اسلام پر ہوا ہے ہم تجیز و تکفین کریں گے۔ خادم خاص نے کہا مروم کی وصیت تھی کہ جو قبر میرے جنازے کو اٹھائے وہی تجیز و تکفین کرے چنانچہ جنازہ سب قوم کے لوگوں نے اٹھایا لیکن سوائے مسلمانوں کے کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر بطریق اسلام دفن کئے گئے۔

کبیر کے مسلمان ہونے کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ شیخ تقی ایک مسلمان بزرگ تھے جو غفلان شہر و دیہ میں ایک عابد زاہد مانے گئے ہیں۔ یہ بزرگ جہوسی نسل الہ آباد میں قیام پذیر تھے اور <sup>۱۱۴۴ھ</sup> مطابق ۱۷۳۱ء میں ان کا وصال ہوا اور جہوسی ہی میں ان کا کھڑا ہے۔ شاہ کبیر کو ان بزرگ کے ساتھ مریڈانہ نسبت تھی۔ ایک روز کبیر گریٹھ اپنے پیرو مشد کے پاس پہنچے اور کھانا لگا آپ نے خود سا ساگ پات اور مٹھا پھا پچھ کھانے کو دیا۔ شاہ کبیر نے اس کھانے کو اس موقع کے لئے نہایت ناکافی خیال کیا اور کہا۔

ساگ پت جردانی ۔ مٹھا + ہم پر کے یہ ہی ہاٹا

لیکن ایک سند، توفیق رسالہ جیون پریم صاحب معرودہ مطبع نور کشور ۱۹۲۹ء من۔ یہ صوفی ۱۱۴۴ھ مطابق اس کے خلاف ہوا اگرچہ تقی کو کبیر صاحب کا چچہ ہونا بیان کرتے مگر یہ بھی غلط اس لئے کہ کتاب جیون پریم پر مذکور کے صوفیہ پر کبیر صاحب یہ مسئلہ ایک گفتار قابل بحث کے اپنے کو مسلمین میں تسلیم کیا اور یہ مجوز کو طعنہ دیا جو کہ میرے بعد ذرا میں جوچہ میرے مسلمان سمجھا جانے کے آپ لوگ نہیں آئے۔

شع اس اظہار ناشکری پر نافوش ہوئے اور فرمایا سہ

یہ چھوڑا اور کیا کھائے مانی

تیرہ اوپر پڑے چھ ماس کی ٹانی

شاہ کبیر کہتے ہیں کہ بیس کا دانہ شمار کر کے عمر گزار کی مگردل کی غفلت دور نہ ہوئی اسی لئے  
بیس کے دانہ شمار کرنے سے معافی قلب پیدا کرنا بہتر ہے۔

اگر وہ من گڈرے چھوڑے لاؤ کر ہر دو ار گئے اور مختلف مقامات کی جائزہ کی مگر جب تک  
دل عشق الہی سے روشن نہ ہو جائزہ کرنا حاصل ہے۔ کعبہ جاکر سجدہ کیا مگر جب تک مکرور دور  
دور ہو کر دل میں عشق الہی پیدا نہ ہو جی کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ میں اپنے محبوب خدا کے کلام  
کا عاشق ہوں۔ اس کے سوا اور کسی طرح میرے دل کو تسکین نہیں ہو سکتی۔ اگر چیل پاپڑ کر سونے  
کے گہوارہ میں رکھیں اور آجیات اُسے چلائیں تاہم یقیناً وہ تھوڑی دیر میں مرجائے گی۔  
پس جس کے دل میں عشق الہی پیدا ہو گیا ہے وہی خدا کو پاسکتا ہے۔

شاہ کبیر کی متا سبت ہندی شاعری سوجوئی پانی جاتی ہے۔ ہم ان کی شاعری کے چند نمونے  
پیلے دکھائے ہیں اور جیسا کہ ہم نے وعدہ کیا تھا یہاں بھی دکھاتے ہیں۔ مولانا روم کا شعر ہے سہ  
چشم بندو گوش بندو لب یہ بند گرنہ بسیخی سہر حق بر من یہ خمند  
یہی مضمون کبیر صاحب یوں ادا کرتے ہیں سہ دیکھ رمی دیکھ تجھ میں تیرا دہنی دم کو روک  
ویدار پارسہ دم کو روک اور حول کو بند کر چاند سورج گھر ایک آوے۔

سہ یعنی دیکھ اپنے آپ میں اپنے مالک کو اس ترکیب سے کہ دم اور مقعد کو بند کر دے تاکہ سوراخ نہاں ناک سے سانس نہ آوے  
یعنی ناک سے اور سانس کو ناہ کنول سے نہیں نکرسن کنول پر ایسی ضرب لگاؤ کہ جیسے ہونو گونجنا ہے تاکہ ذات الہی کا  
غور ہو۔ یہ راہ سلوک ہی اور توحید کے میدان میں جاننا مرد لگا کام ہے۔  
سہ چاند سے مراد ناک کا بیان تھا ہے۔ سہ سورج سے مراد دایاں تھا ہے۔

بالہ کے سانس سے منتر چپ چپ کرے اور کنول کی کٹی پر پھنر چھوے: کہیں کبیر الگ کی پیڑیاں  
سُن تھکی سیج کوئی سنتھ جاوے۔

یہ ایک شعل ذکر الہی ہے۔ اسی باب میں شاہ کبیر کے بیٹے شاہ کمال یوں لکھتے ہیں: یہ  
آنکھ ناک منہ ڈھانپ کے نام نہ بخن لے اندر کے پٹ جہ کھلیں جہ ماہر کے پٹ دے  
کبیر کہتے ہیں۔

راجہ دکیا پرجا دکیا جوئی کو دھک دنا رسی کہے کبیر سنبھائی ساد ہو کوئی مندر نہیں سونا رسی  
ایک روز مہاراج کبیر کے گھر چند ساد ہو مہان آئے۔ اتفاقاً کچھ سامان کھانے پینے کا نہ تھا۔ اپنی  
بیوی سے کہا: اب کیا علیل۔ اس نے کہا: ایک بقال محمد پر عاشق ہے اگر کو تو اس سے کچھ سودا  
آؤں۔ کہا کہ اچھا شکار کرو۔

چوں سلاحت ہست رو صیدے گیر تابد و شایم از صیدے تو شیر  
توس ابرو تیر غزد دام کیسد ڈ بہر چہ وادت خدا از بہر صید ڈ  
نپے مرغے شکر فی دام نہ دانہ بنالیک در فوروش مدہ  
کام بناد گن اور اتخ کام کے خورد دانہ چوشد محوس دام

کبیر کی بیوی جو نہایت حسین حق بقال کی دوکان پر گئی اور کہا کہ مہانوں کے لئے آنتلسا  
مطلوب ہے۔ بقال نے کہا کہ اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو رات کو میرے پاس رہ سکے یہ اقرار کر کے  
سودا لے آئی اور مہانوں کو پکا کھلا دیا جب رات زیادہ گئی تو کبیر نے کہا کہ لو اب کپڑے بدل لو رزق  
پہن دو کہ تو اس بننے کی کیا گت بنتی ہے سنگار کر اپنی پیچھے پرچہ بالالہ کے دروازے پر جاتا رہا۔ بنیا دیکھ کر  
بہت خوش ہوا اور چونکہ بارش اور پتھر پڑ رہی تھی اس نے پوچھا کہ تمہاری جوتیاں کیوں صاف ہیں

فرانچیز نہیں لگی۔ جواب دیا کہ کبیر بنی کمر پر حوار کر کے مجھ بلایا ہے۔ یہ بات سنتے ہی بیٹے کی حالت بدل گئی۔ مقصود معاف کرایا اور کہا کہ یہ تو میری ماں کی بیگم ہے۔ عرض کبیر نے بقال کو تعلیم کی اور آٹے وال کا بھاؤ سب بھلا دیا۔ (کبیر کہتے ہیں) ۷

بجیس جو بھاؤ سن کے اور سے سولڈ بڈ ہوئی + بیٹے مترالوج رہے پھر نہ نکس کوئی  
دریں ورطہ کشتی فرد شد ہزار + کہ پیدائش شد توتہ بر کنار

پھر کہتے ہیں۔ ۷

چند اچھلے سب کھٹ مائیں اندھڑی آنکھ کو دیکھت ناہیں  
ابے جب تپ کون کرے سوئے بجائی جو لے مایا گھٹ میں پائی  
بھلا میں دیکھا ست گزستہ سپاہی رام نام کا پٹا لکھا فی آپ ہی جاگیر پائی  
سرت سینکڑی سراج سمجھ کا تن کی تیک بنائی جوگ بجائی بدہ کا مندر پر پیت پیلا پی آئی  
ست کاسیل جگت کا حمد ہر جھاڈ ہال ڈال کا ہی

موہ مو۔ چھ پہلے مارا دیدا مار ہٹائی

لہ لڑائی کے نقد چھ رہے ہیں جو سنتا ہے وہی مست ہو جاتا ہے۔ بہت بہادر اس جنگ میں گویا ہوں اور ایک ہی لمحہ نہیں نکلا

لے چاند کی روشنی سب جگہ موجود ہے لیکن اندھڑی آنکھ کو کچھ نظر نہیں آتا۔

لے اب کون عبادت میں محنت کرے جب کوئی نعمت اور مال اپنے ہی میں مل گیا۔

لے یعنی میرے پیر پر سے سپاہی ہیں خدا کے نام کا پر دانہ لکھا ایسی جاگیر دوائی

لے اور یہ بہتیار عنایت کئے ہیں۔ چالاک سیکنگٹری یعنی کپتی بارو کی اور سارا سامان سمجھ کا اور ترس کی ہندو

اور فخر کی جانگی جو دہری بندو توں میں ہوتی ہے جسکو توڑا کہتے ہیں اور عقل کا مندر اجس پر جاگی لگائی

جاتی ہے اور اس میں محبت کا پیالہ ہے۔

لے صلاحیت یعنی جتنی سستی ہوئے کا تیزہ اور محنت کی تلوار صبر کی ڈال دیئے ان ہتیاروں سے کیا کام

کیا۔ اول تو مورچہ ماسوا را اللہ کا مار لیا اور شک کو مار کر مٹا دیا۔

آپا بگت سب ہر تیغی رم پر بڑی  
بہر مکے نئے کات یکسو دھوپ پہنچا پانی  
پانچوں کپڑی کام دھام پہنی منت پائی  
داس کبیر ترپٹ لکھ ادرا جی نشا ٹھرائی

بیر کہتے ہیں

آپا پیچھے منت لو کہے کبیرا رام  
بھو دئی جو جن ملے اور جاڑا گئے کھائے  
لوہائی ہو گیا پھر پار سس کس کام  
جو بن گئے تزیلی جو تیزوں دیو چراے

کبیر کہتے ہیں

مٹی یک جوا نگ ایک ہوا بن بن سب بن کار پ بنی  
تے مات کوئی سنگ مات سے اس سب ہی میں تد پ بنی  
ایسے کہاں چرون چڑ تھو میں چڑا تھو دیو سب شور ہے جی  
کبیر بیاب سے جان لیجے نام روپ تو سن کا ڈور ہے جی

سے پھر اپنے آپ کو ماریا جیبا اپنے آپ کو ماریا تو سا دیا جان ملا گیا لور ایک نوار میں راگ کام میں منام  
گردیا اور انانیت کی گردن کاٹے اب ہم ہوئے سہاسی۔

سے پانچوں یعنی حواس خمسہ جو فہم سے ن کو بھی بکڑ لیا اور زرا ہمیش جو قوت بشن یقین ن کو بھی  
گرتا کر لیا۔ اب کبیر داس نے قلعہ کے نشان تو پھرایا ہے

سے یعنی۔ یا سی ایک سے اور حروف مختلف اور ہر ایک کی صورت جدا ہے۔

سے کوئی حرف بغیر حرکت کے ہے اور کوئی حرکت والا لیکن سیر سب میں برابر ہے۔

سے اس چار حروف کی پیدائش میں یعنی اول اخلق جو بعد سے جانور پیدا ہوئے تھے۔ دو ام جوج جو خشیہ  
سے پیدا ہوئے ہیں سوم ایدراج یعنی مشرات الارض چارم سیو داج یعنی جو پانی میں پیدا ہوئے  
میں ذات سب میں ایک ہے۔

سے اسے کبیر غفل سے دریافت کرے کہ یہ تو اعداوت صورت سے نام نہ شے کا جدا اعداوت ہوا  
یہ فقط دل کی بناوٹ ہے ورنہ ذات الہی سب میں یکساں ہے ہمیں کچھ کی ویٹی نہیں۔

کبیر دوہاتے ہیں۔  
 تن منکے ہوسن دہی سرت بلون بار  
 کبیرا کھن کھا گویا چھ پئے سنسار  
 یعنی کمال معرفت کبیر کو حاصل ہو گیا۔ اس کے جواب میں کمال ابن کبیر نے ایک دوہا کہا اور باپ  
 کو ہنسیا کر کیا کہ یہ آپکا وہم بے بلون کسی پر ختم نہیں ہو سکتا  
 مصری کا پریت بیو اور چوٹی نکسی آئے  
 آن کبہ اپنا پھیر سو پریت کا کیا جائے  
 یہ بات سن کر کبیر صاحب چونکے اور ہوش میں آئے کہ حقیقت میں وہ کمال ہوا کمال نے  
 خوب سمجھائی۔ فاعل کو کان الفجر من ذر الکلمات سرتے لیتقد البحر قبل ان تتفد کلمات  
 سرتی دونوں جہاں مبتدہ صدر اہ  
 علمنا از بحر علمش قطرہ الیت  
 گر کسے در علم صدر لعل بود  
 شاہ کبیر بڑے موحد تھے جب ان کی توحید کا شہرہ ریداس سنگ پھونچا تو اس نے یہ شعر  
 لکھا کیونکہ ریداس سرگنی تھا یعنی اہل صفات اور کبیر بغیر رنگی اہل ذات تھے۔  
 ما ترکتی باپ جو ہلے پوت بے برہم گیا فی  
 آوانت کی جانے تاہیں اپنے من کی مخانی  
 جو لے نہیں من ہمت موری رے  
 اس کے جواب میں شاہ کبیر نے کہا۔

کہ وہ اے محمد اگر ہو جائے فانی دریاؤں کا سیاہی واسطے کہنے آیات اور انعام پروردگار میرے کے  
 البتہ خشک ہو جائیں گے دریا پہلے اس سے کہ نیم کلمے میرے پروردگار کے علوم میں سے اہل آیتیں ایسے  
 کروڑ ہا سندھ باہلو اس سیاہی کے۔

سہ ماہ عزیز قوم اور باپ بولا ہم اور بیٹے جوئے صاحب معرفت آگے چھپی خبر نہیں اپنے دہن میں تھان  
 فی کہ میں مدحت ہوں۔ سے جولا ہے اگر تو میرے سامنے ہوتا تو میں تنگ ہو سمجھا دیتا۔

برہم گیان بن برہم نت بن کا یا شدہ ہوئے پورن برہم شکل گھٹ بیابک دھجے اور نہ کوئی

چمری نہیں نین بہت موری سے

آخر ایک روز ملاقات ہو گئی اور باہم گیان پر چاکی بھری کبیر نے کہا کہ میری بھگتی اچھی سے  
ریداس نے دعویٰ کیا کہ میری۔ اب فیصلہ ہو تو کیونکر ہو ریداس نے رام چندرجی کو یاد کیا۔ فوراً  
گھوڑے پر سوار ہو کر دھنشن بان یعنی تیر کمان ہاتھ میں لئے آجودہ ہوئے اور کہا کہ اے کبیر  
ریداس کو کیوں نہیں مانتا اسی کی بھگتی اچھی ہے۔ کبیر نے کہا کہ مہاراج آپ سستیابی کی بھگتی  
کریں اس معاملہ میں دخل نہ دیں۔ گفتگو میری اس کی ہے ہم دونوں بھگت لیں گے۔ وہ چپ  
چاپ الگ ٹھہرے ہوئے تب ریداس نے کوشنرجی کو یاد کیا۔ وہ بھی گڑیر سوار سر پر ٹکٹ لگا کر  
گھگھ مری دہرے سامنے آگئے اور کبیر کو سمجھایا۔ اُس نے کہا کہ مہاراج آپ گوپیوں سے کھلوں کیجئے  
میرا اور اس کا جھگڑا باہمی ٹپک جائے گا۔ وہ بھی الگ ہو گئے پھر اُس نے مہادیو کا دھیان کیا  
فوراً بیل پر سوار ترسول ہاتھ میں لیکر آئے اور درشن ہوئے۔ شاہ کبیر نے ان کا کہنا بھی نہ مانا۔ اور  
کہا کہ مہاراج تم پارتی جی کے پاس جاؤ اُنکی بغیر مٹاؤ۔ اس بات سے تم کو کیا مطلب۔ مہادیو جی  
کو غصہ آیا اور کبیر کے مارنے کو ترسول مٹھایا۔ کبیر رم یعنی کاکہر غائب ہو گئے۔ اس وقت ریداس  
کے تمام دیوتا بولے کہ اس دریلے توحید میں جہاں کبیر نے غلط لگا لیتے ہیں اور وہ سب برابر  
ہیں۔ یہاں ہمارا بھی کچھ نہیں چلتا۔

ریداس نے کہا کہ مہاراج میں نے جب اتنی مدت تمہاری سیوا کی اور پو جا کرتا  
رہا اور اس وقت کچھ نہ ہو سکا تو آئندہ آپ لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔

۱۔ یعنی بغیر معرفت خدا اور نفس کے جسم صاف نہیں ہوتا۔ وہ ذات نام شے میں سمائی ہوئی ہے۔  
۲۔ سوائے اسکے دوسرے کچھ نہیں ہے۔ چاند اگر تو میرے سامنے ہوتا تو میں گھبرا جاتا۔



بس میرا سلام ہے۔ اس کے بعد رید اس نے سب سے مفارقت کی۔ اور مسلک توحید اختیار کیا اور کبیر کا پیہ ہو گیا۔ ۵

ٹھا کر پتھر مالا لکڑی تیر تھ میں سب پانی  
ہام گئے کرشنا مر گئے مر گئی لکھو بائی  
دل گفت مرا علم لدنی ہو س است  
گفت کہ الف گفت و گر گفت ہم یچ  
کبیر کہتے ہیں۔

ہاکی سیسی سجھاؤ جائے نہ جی سے  
جیسی کرنی دیو کو دیسی اتنے بدو  
چوتھے کھنڈ پڑاھ کرے جو بسا  
ہر بند کرے سب گزوارا ہند گونہ کوئے  
اہند باجے باجن لاگے  
چورنگر یا تچ بھاگے

چونکہ شاہ کبیر کو مود کہا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر توحید کو  
بجائیں کہ وہ کیا سنتے ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ تازک ہے لیکن سالہ ہذا کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے

مذہب کی بات ہو کر نہیں مانی۔ درخت نیم کا پتہ نہیں ہوتا اگرچہ ٹوکھی سے پرورش پاوے۔  
تہ جو م نہ کوئے منظور ہوتا ہے انسان کی سمجھ لپی ویسی ہی کر دیتا ہے۔ ہوئے وہاں کام دل میں بس جائیگا  
اور شواہد اس جاتے رہتے ہیں۔  
مذہب سے مراد نہ ل توحید ہے یعنی جو شخص توحید میں قیام کرتا ہے اس کو موت حیات کا خوف  
نہیں۔ شاہ کبیر کا مقام محدود اور اہند مقام غیر محدود مراد توحید ہے یعنی سب لوگ مقام محدود میں رہے اور  
میرا یہ توحید اور اول میں ہو چکا ہے۔  
فہم نہ میں دید میں اور نہ ہی ہستی ہے تو سب چور کی طرح جاگ جاتے ہیں۔

# توحید

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کبھی نسخ پذیر نہیں۔ ہر ایک دین و ملت میں اس کی شہادت موجود ہے۔ کوئی قوم پردہ زمین پر ایسی نہیں کہ خدا کی وحدانیت تسلیم کرنے والی نہ ہو انبیاء اولیاء اور بادیان راہ خدا خواہ کسی سر زمین اور کسی زمانہ میں ہوئے ان کی تعلیم اور تلقین کی بنیاد اسی لازوال مسئلے پر ہے اور مذہب اسلام کا تو یہ مسئلہ رکن اور کلید ہے یہی معلومات ظاہر کا قبلہ اور یہی مکشوفات باطن کا کعبہ ہے یہی شریعت اور طریقت اسلامی کی جان۔ یہی حقیقت و معرفت کی زبان ہے۔ یہی جملہ طاعات کا راس اور یہی حکمت کی اساس مجہد طبعی ریاضی۔ الہی سب کے سلسلے اسی پاک مسئلہ سے شروع اور اسی پر ختم ہوتے ہیں۔ اس کی تصدیق دعوت عام ہے اور اسی کی تحقیق ضیافت خاص۔ یہی مسئلہ ایسا سہل اور ایسا آسان ہے کہ علماء اللہ کے ورد زبان ہے اور یہی ایسا دقیق ہے جسکی تحقیق میں خواص کی عقل بھی حیران و سرگردان ہے توحید کے معنی میں شے واحد ہونے پر حکم کرنا اور شے واحد ہونے کا علم بھی توحید ہے حضرات صوفیائے طرح طرح سے لفظ توحید کی وضاحت اور تقسیم کی ہے گویا جس کو صبیح علم ہوا اُس کے موافق بیان فرمایا۔

ایک قول یہ ہے کہ توحید کی چار قسمیں ہیں۔ اول توحید شریعت یعنی اس بات کا یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے قدیم ہے۔ اپنی حیات سے حقیقی۔ اپنی سمیع سمیع اپنی بصر سے بصیر۔ اپنے کلام سے کلیم۔ یہ توحید ظاہری ہے خواہ تقلیداً خواہ بدلائل عقلی و نفسی۔ دوم توحید طریقت یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کو مسکن میں نوا ایمان سے ملاحظہ کر کے واجب الوجود کا اثبات کرنا۔ اضافت جمیع موجودات کو معلوم سمجھنا۔ ہستی جمیع موجودات کو ذات واحد میں دیکھنا۔ اسیں تقلید و استدلال کی کچھ

حاجت نہیں۔ اس توحید کے تین مراتب ہیں۔ اول توحید افعالی یعنی جملہ موجودات کو افعال خدا سمجھنا۔ دوم توحید صفاتی یعنی جملہ صفات موجودات کو صفات خدا سمجھنا۔ سوم توحید ذاتی یعنی وجود و جملہ موجودات کو وجود باری تعالیٰ یقین کرنا اور موثر حقیقی اور موجود اصلی ذات حق کے سوا دوسرے کو نہ جاننا۔

چہارم توحید حقیقت یعنی نفی غیریت یہاں تک کہ اپنے وجود کا اور اک بھی نفی اور تعینات موجودات بھی فنا ہستی حق کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔ اپنے اور نیز جملہ موجودات کے وجود میں حق کو مشاہدہ کرے ایسی توحید کے نو مراتب لکھے ہیں۔

اول مرتبہ انفسی یعنی اللہ تعالیٰ بکمال اقربیت مطابق اپنے کلام پاک وھو معکے اپنا کائنات ذات عارف میں تجلی فرماتا ہے اور نفس و عقل نور الہی میں فنا ہو جاتے ہیں۔

دوم مرتبہ آفاقی یعنی حق سبحانہ بوافق رتبہ اللہ و تراکبات و الاارض عارف کی نظر میں تجلی ہوتا ہے سوم مرتبہ اسمائی یعنی عارف بہ کثرت ذکر الہی ہر اسم کے رنگ میں اسی ذات پاک کو تجلی دیکھتا ہے اور ذکر سلطان الاذکار وجود عارف میں ظاہر ہوتا ہے اور غیرت بالکل مٹھو ہو جاتی ہے۔

بنام آنکہ اوتامے نثارو بہر نامے کہ خوانی سر برارد

چہارم مرتبہ صفاتی یعنی اللہ تعالیٰ سالک کے اعضائے جسمی و بصر و حیرہ پر تجلی فرماتا ہے اور بی سیم و بی مصلح کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

نیمت ششم من بہستی ہائے تو من بدوں رستم دروں مند جاسے تو ہختم مرتبہ تیشی یعنی سالک کو ہر فرد موجودات جداگانہ میں حق نظر آتا ہے اور اس مقام میں سدہ خدا ہے نہ ندیم غیر تو در کعبہ و دیر۔

ششم مرتبہ شیونامی یعنی اللہ تعالیٰ عارف پر بہ تجلی افعال تجلی و ظاہر ہوتا ہے۔

اور افعال موجودات میں افعال حق نظر آتے ہیں۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔ اس مقام میں دہندہ و کشندہ دونوں برابر ہیں۔ لیکن اور اک رنج و راحت باقی رہتا ہے۔

ہفتم مرتبہ شہودی یعنی اللہ تعالیٰ عارف پر اس طرح تجلی فرماتا ہے کہ حجاب ظلمانی رفع او کیفیت نورانی منکشف ہو جاتی ہے۔ اور معرفت بے کیف و مشاہدہ دہام میں مستغرق رہتا ہے۔ ہشتم مرتبہ وجودی یعنی تجلی وجود الہی میں ہستی سالک اس طرح فنا ہو جاتی ہے جیسے نور چراغ فیضائے آفتاب میں۔ اس مقام میں سالک مثل جماد اپنی حرکات و سکنات سے محض بے خبر ہو جاتا ہے اور اس حالت میں امتیاز مشاہدہ و مشہود بھی کفر ہے۔

نہم مرتبہ تنہوی۔ اس مرتبہ میں جملہ کائنات کی ہستی پر تو انوار الہی میں ایسی فنا ہو جاتی ہے کہ نظر سالک میں مطلق نہیں آتی۔ جب اس دریائے ناپید اکثار کاستناور صفات موجودات کی تجلیات سے فنائے کلی حاصل کرتا ہے اور حدوث و امکان کی آلائش سے مجر و ہو جاتا ہے تو ایک موج تعہد ریائے ذات سے سرخفی پروا اور ہوتی ہے جو عارف کو در طہ عدم میں ڈال دیتی ہے۔ محو و نحو اور فنا و در فنا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر نہ وجود نہ شہود نہ اسم نہ صفت نہ عید نہ فریق نہ عرض نہ اثر نہ خبر نہ علم خود نہ علم حق عرض کچھ باقی نہیں رہتا۔ لی مع اللہ وقت لا یسعی فیہ ملک مقرب ولا بنی فرسمل۔ دریائے جمع الجمع میں مستغرق ہو جاتا ہے اس وقت من عرف نفسه فقد عرف اللہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک قسم توحید معرفت ہے اسی کو توحید انلی۔ ذاتی۔ تہیمی اور الہی بھی کہتے ہیں جس وقت عارف کابل مقامات و مراتب سیدہ الی اللہ و فی اللہ و مع اللہ طریق کر کے مقام میں الجمع و جمع الجمع میں پہنچتا ہے جو انتہائے مراتب توحید سے ہے۔ اُس وقت اپنے آپ کو

عدم محض پاتا ہے اور خودی سے بے خود ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پیش از ترکیب اعضاء جسمی بصدر اہل  
ثابتہ علم قدیم میں موجود تھا۔ اسی حالت کا بیان ہے اس آیت شریف میں ہل اتی علی  
الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً۔ آیا انسان پر وقتوں میں سے کوئی  
وقت گزرا ہے کہ وہ ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے یعنی ایک وقت انسان کے لئے ایسا تھا  
کہ وجود خارجی تو کیا وجود ذہنی و فطری بھی نہ تھا۔ سنا ہے جب حضرت عمر فاروق اس آیت کو قاری  
سے سُنے تو فرماتے یا ایہُ حاتمُ تمت یعنی کاش یہ حالت پوری ہو جاتی۔ یعنی جہاں سے ہم نے  
سفر کیا ہے وہیں پہنچیں اور کثرت و مدت میں گم ہو جائے ایک قول یہ ہے کہ توحید کے لئے ظاہر و باطن  
اور حقیقت ہے۔ ظاہر توحید تو اسلام ہے۔ اور باطن توحید ایمان حقیقت توحید تقویٰ اور عمل صالح۔  
پس اسلام کی صحت ایمان سے ہے اور ایمان کی صحت تقویٰ اور عمل صالح سے۔ ایک قول یہ ہے کہ توحید کے  
تین مراتب ہیں۔ اول توافعال اور مفعولات کل باوجود کثرت و اختلاف کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا  
جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ واللہ خلقکم وما لعلن وما رصیت اذ رصیت لکن اللہ ہی قل کل من عند اللہ  
دوم توحید صفات۔ یہ علم قلب ہے۔ ما خود اذ طریقہ متی ۱۹۱۶ء حررہ حافظ  
عبد القدیر ناظم۔

یہ کل بحث توحید جو اوپر مذکور ہوئی صوفیائے کرام کی گروہ کے لئے ازیں مفید ہے  
عوام کی سمجھ سے گہری ہوئی ہے مونے الفاظ میں توحید۔ وحدانیت موحّد و یوں سمجھ لو  
کہ خدا کو ایک بدون شرکت غیرے مان لینا۔ اوپر لکھ چکے ہیں دنیا میں کوئی فرقہ اس کے  
خلاف ان لینے کو تیار نہیں ہے۔ بس معنی توحید صاف ہو گئے مطلب یہ ض کرنا تھا کہ  
اموحد و مسم بہ ہر۔ مستحب ہر نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ کبیر کا موحّد ہونا۔ بہت سب توحّد  
مؤمن ہی ہوتے۔ نہ کہ توحّد ہے کہ موحّد کا مسلم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ جس پر دگر وہیں

صد ہ سو حد گزیرے جن کا زمانہ رسول اکرم سے پہلے گزریا وہ مسلم نہ تھے اور ہوتے کہاں سے اسلام کے بانی کا زمانہ تو زمانہ تجزی ہوا۔ جتنے سو حد گزرے ہیں ان کو قابل تعظیم سمجھا گیا ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں ہو گا کہ ان کی تعظیم سے باہر ہو اگر ایسا ہو تو اسے خیال کا فرق جزا و سبب کہتے ہیں کہ قیامت میں توحید کا سوال سب سے کیا جائے گا عام اس سے کہ کوئی جاہل ہو یا عالم۔ وحشی ہو یا تمدن۔ مدعا یہ کہ توحید کا مسئلہ ایسا کھلا ہوا اور صاف ہے کہ اس کے لئے نہ کسی تعلیم کی ضرورت ہے نہ تلقین کی۔ اس لئے اس سے کوئی مستثنیٰ نہ ہو گا پھر وہ شخص جو اس مسئلہ کی تبلیغ کرے ظاہر ہے کہ وہ خدا کا خاص بندہ ہو گا۔ اور اس صورت پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ توحید ہی ذریعہ ہے ایک رسول کی تصدیق کا۔ لیکن میرے نزدیک دوسری صورت اس سے زیادہ صاف ہے اس دنیا میں جہاں ہمارے لئے تہذیب و تمدن معیشت و معاشرت کے اصول مرتب ہو گئے ہیں۔ جہاں ہمارے تمام افعال انہیں اصول کے ماتحت اچھے برے قرار دئے جاتے ہیں ہمارے لئے سب سے زیادہ آسان یہ ہے کہ انہیں مسائل کو پیش نظر رکھ کر ایک شخص کے نیک یا بد ہونے پر حکم لگائیں۔ بجائے اس کے کہ ہم رسول کی رسالت کو اس کی تبلیغ توحید کے ذریعہ سے پہچانیں کہیں زیادہ سہل یہ ہے کہ براہ راست اس کے اخلاق و سیرۃ پر نگاہ کریں کہ وہ کیسے ہیں۔ اگر اخلاق کے لحاظ سے اسکی صداقت و دیانت ثابت ہو جائے اگر اصول تمدن کے معیار پر وہ ٹھیک اُتے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے مجبوراً جہیں اسکی تعلیمات کو نعوذ را دیں۔ اور چونکہ اسکی تعلیمات کا حاصل صرف توحید ہے اس لئے ہم کو مجبوراً ماننا پڑے گا کہ خدا ایک ہے اور اس کی قوتیں مسلم۔ یہ ہے سیرا انیائیہ میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے کو کیں راہ کے اختیار کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔

پس توحید خدا کو ایک مانتے ہے۔ عام اس سے کہ اُس کے کسی یا بنی کو تسلیم کیا جاوے یا نہیں۔

## تعلیم التوحید اِنَّمَا الْكَلِمَةُ اِلَهٌ وَاحِدٌ

مذہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے توحید کی اعلیٰ اور مکمل تعلیم پیش کی۔ اور اسی بحث میں اس کے روشن اور چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تمام مذاہب میں بتوڑی بہت توحید کی جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن افسوس ہے متبعین مذاہب نے اس میں زیادہ افراط و تفریط کر دی ہے۔ اور یہ عزت صرف اسلام ہی کے لئے مختص ہے کہ وہ اب بھی ہدایت صحیح ادب بالکل خالص توحید کی طرف لوگوں کو رجوع کرتا ہے۔ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ بنی نوع انسان کا فطری دین یہ ہے کہ وہ اکیلے اللہ کو اپنا خالق اور رب مان کر اُسی کے آگے سر جھکاے اور یہی اصل اسلام ہے۔ جتنے بنی اور رسول دُنیا میں آئے سب کی یہی تعلیم تھی کہ اکیلے اللہ کو مانو۔ اُس کی رضا طلب کرو۔ وہی پیدا کرتے والا۔ پالنے والا۔ مارنے والا ہے اور وہی تمام اعمال کی سزا و جزا دے گا۔ لیکن جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر اس کی قدرت کے مظاہر مثلاً چاند۔ سورج۔ سمندر۔ پہاڑ وغیرہ کو قابل پرستش سمجھ کر پوجنا شروع کر دیا۔ بعضوں نے فرشتوں یا رسولوں کو خدا کی اولاد قرار دیا اور انکی عبادت کرنے لگے۔ اور بعضوں نے اُسکی خوات کو دُنیوی یا دُشمنیوں پر تکیاں کر کے بڑے بڑے اینار اولیاء کو جن سے غیر معمولی باتوں کا ظہور ہوا تھا اپنا بیعت بنایا کہ

ان کے توسط سے اللہ تک رسائی حاصل کریں۔ ان میں سے کسی نے ان بزرگوں کے بت تراش کر ان کی پرستش شروع کی۔ کسی نے ان کی قبروں پر نذر و نیاز چڑھا کر ان کی خوشنودی کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی گمراہی کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔ وَلَيُعَذِّبُنَا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَفْقَهُهُمْ وَلَا يُفْقَهُهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ اللَّهُ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ۔ (یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اور قائل ہیں کہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔)

ایک جگہ بعض عقائد باطلہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعْوَكُمْ وَلَا يُسْمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَهُمْ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَيُكْفَرُنَّ بِشِرْكِكُمْ۔ (اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کچھور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور سنتے بھی تو جواب نہ دیتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک و انکار کر دیں گے) ایک مقام پر اپنی صفت بیان فرمائی ہے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيفٌ فِي الْمَلِكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلٰلِ۔ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے جس کی اولاد ہے نہ اسکی سلطنت میں کوئی شریک ہے نہ وہ کمزور ہے کہ اُس کا کوئی مددگار ہو) پیغمبر اسلام کے معبود ہونے سے پہلے دنیا میں جس قدر بت پرستی و شرک کی کثرت تھی اُس کا حال صفحات تاریخ میں اس طرح درج ہے۔ چھٹی صدی مسیح میں جبکہ اسلام کی اشاعت نہیں ہوئی تھی دُنیا کے ہر حصے میں شرک و بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ یورپ میں ڈون کو خدا تسلیم کیا جاتا تھا۔



پھین کا بادشاہ خدا کا حقیقی فرزند سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں چاند۔ سورج۔ ستارے۔ کائے میل  
 بندر۔ ہاتھی خدا کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ بعض کالیقین تھا کہ خدا ان کے اندر سایا ہوا ہے  
 مصر میں سواہے اصرام پرستی کے خدا پرستی کے نام سے لوگ بناوا کرتے تھے۔ پتھر کے بتوں کو خدا  
 کی اولاد سمجھا جاتا تھا اور گہری عقیدت کے ساتھ ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ عرب میں سب سے  
 زیادہ بت پرستی ہوتی تھی۔ عرب کے عقیدے میں سب سے بڑے خدا سات اور نائک تھے۔  
 اوروہوں اکثر اک عمل کے ساتھ خدائی کرتے تھے۔ ایران میں سلاطین پرستی کا زور تھا۔ بادشاہ  
 وقت خدا سمجھا جاتا تھا۔ جب ایک بادشاہ کا انتقال ہو جاتا اور اس کا وارث تخت نشین  
 ہوتا تو لوگ یقین کر لیتے تھے کہ اب خدائی موجود بادشاہ کے ہاتھ میں آگئی۔ تاریخ انھیں  
 ابن اثیر مسامرۃ الاخبار زر قانی جبکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس قدر تارکی پھیل گئی تھی  
 تو ۲۱ اپریل ۱۸۵۷ء کو نور الہی چکا پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا میں  
 تشریف لائے۔ آپ نے ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء سے مد توحید کی نشر و اشاعت اور شرک و  
 کفر کی بکلی شروغ کی۔ آپ نے مشرکین کی تمام عقاید باطلہ کی سخت تردید کی اور علی الاعلان  
 ارشاد فرمایا۔ **اللہ اکبر** **الہ الا هو** **الحی القيوم** **لا تاخذ الا حسنۃ** **ولا تؤم لدعائی السموات**  
**والمافی الا امری** (اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور قائم  
 ہے نہ اُسے نیند آتی ہے نہ غفلت اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اُسی کا ہے اسل علان  
 توحید نے مشرکین کی جماعت میں ہل چل ڈالی۔ اور ایک انقلاب عظیم کا پیش خیمہ نعب کر دیا  
 اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت۔ اقیات اور خالقیت کے متعلق تسلیم  
 دی کہ وہ معبود حقیقی وحدہ لا شریک ہے۔ اکیلا ہے۔ یکتا ہے۔ بے نیاز ہے۔ اُسکا  
 کوئی شریک نہیں وہ تمام مخلوق کو پالنے والا ہے۔ اور ہر جاندار کو رزق پہنچاتا ہے ہر چیز

اُسی نے پیدا کی۔ وہی خالق اکبر کائنات کی تمام نعمتوں کا مصدر اور سرچشمہ ہے خشکی  
کا ہر ذرہ اور دریا کا ہر قطرہ اُسی نے بنایا ہے

ہر گیس ہے کہ از زمین روید

وحدہ لا شر یک لہ گوید

دنیا کی تمام نعمتیں اُسی منعم حقیقی وحدہ جل مجدہ کی طرف سے ہیں اور دنیا کی ہر شے مخلوق  
ترتیب میں اُسی ذات لایزال کا تصرف کامل ہے۔ اللہ خالق کل شئی و هو علی کل شئی کبیل  
للمعقبات لیسماوات ولا زمین۔ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنا والا ہے اور ہر چیز اُسی کے  
سپردہ ہے۔ اور آسمانوں اور زمینوں کی خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں) مشاہدات سے  
اسلام کی یہ تعلیم بنائیت کامیاب نظر آتی ہے۔ اگر حق پرستی والصفات پسندی و میناسے مفقود و  
معدوم نہیں ہوئی ہے تو یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مبارک مذہب ہے کہ جس نے لاکھوں  
انسانوں کو شرک و کفر کی تاریکی و گمراہی سے نکالا اور توحید کی روشنی میں لاکھڑا کر دیا۔ خاص  
موجد بنا دیا۔ اور اُن کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات  
کی غلٹ و کدورت دور کر دی۔ صفات تاریخ شاہد ہیں کہ جو گردنیں پتھروں جانوروں اور  
راہیوں کے سامنے ٹھکی ہوئی تھیں جو قلوب۔ آگ۔ پانی۔ چاند۔ سورج اور بہائم کی  
عظمت و جلالت سے لبریز تھے۔ اسلام نے اُن سب کو معبودان باطل سے  
بیزار کر کے خدائے واحد القہار کے سامنے جھکا دیا۔ اور تمام ناجائز رشتے اور  
تعلقات منقطع کر دیے۔ ہندوستان کے بہترین شعراء نے توحید کے مضمون کو اردو  
فارسی نظم کا لباس پہنایا ہے اور مؤلف نے بھی چند نظمیں ترتیب دی ہیں وہ سب  
ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

## نغمہ توحید

(از جو شریط آبادی)

راحت پاں بھی دہی فتنہ دوراں بھی دہی  
 کعبہ و دیر یہ سب وہم کی تعمیریں ہیں  
 جلوہ طور بھی ہے شمع سر طور بھی ہے  
 لجن داؤد بھی لے ہے دہی بنی کی  
 جان ہے تیرگی و نور کی پر تو اُس کا  
 ہاں دہی درد ہے پہلو کا وہی دریاں ہے  
 اہل باطن کو منم خانہ کعبہ کیسا  
 ایک تصویر کے دور رخ میں بہار اور غزاں  
 مصر کا چاند ہے اور نجد کی آرائش بھی  
 خال ہندو بھی دہی نقطہ ایمان بھی دہی  
 معنی دید دہی آیہ قرآن بھی دہی  
 آشکارا بھی دہی آنکھ سے نہاں بھی دہی  
 ساز ہندو بھی دہی سوز مسماں بھی دہی  
 ظلمت شب بھی دہی صبح درخشاں بھی دہی  
 ہاں وہ ہرزخم کا مرہم ہی سنگدیاں بھی دہی  
 مصحف رخ بھی دہی زلف پیشاں بھی دہی  
 خندہ گل بھی دہی خار مغیلاں بھی دہی  
 حُسن لیلیٰ بھی دہی جلوہ کنناں بھی دہی

صرف لفظوں کا گھر وندا ہے یہ فرق ملت

دین ترسا بھی دہی جوش کا یہاں بھی دہی

## نغمہ توحید

از تائب

بر باد مراے دل و در عشق بتاں کردی  
 خود و دل منصور امرا رخصتی داری  
 خود عاشق و معشوقی خود قاتل و مقتولی  
 خود بیل شیدائی خود آں گل رعنائی  
 خود جلوه وہی گاہے خود پردہ کنی گاہے  
 رسوا سے جہاں کردی بے نام پوشاں کردی  
 خود راز انا لقی را بر و اربعیاں کردی  
 خود تیغ زدی بر من خود شور و فغاں کردی  
 از نغمہ توحیدم بے تاب و تو اں کردی  
 خود خواہش دیدار سے ای جان جہاں کردی

خود نوز گئے گشتی خود نار گئے گشتی  
 خود د و جگر دادی خود چارہ گری کردی  
 خود عہد وفا کردی خود ظلم ردا دادی  
 لے ساقی بخونہ از لطف کرم نہ  
 مخمورم کردی از بادۂ توحید سنس  
 اسلام بہارائی خود کفر عیساں کردی  
 خود تیر بیندائی خود آہ و فغاں کردی  
 خود حال غم پرسی خود بند زباں کردی  
 از ہستی بیگ نہ معدوم جہاں کردی  
 ہر شا سبک اسوانے پیر مغاں کردی

تو ب نہ نہ نو بہ از عشق تیاں لے دل  
 رہوائے جہاں نہ صفت اے آفت جہاں کردی

### راز توحید

دوئی کو دل سے کہو دیتی ہے وحدت جیسی ہوتی ہے  
 تمیز زلف و عارض خال و ابرو کچھ نہیں رہتی  
 نظر آتا ہے روئے نور جہاں اسکو ہشتے میں  
 غرض کی لوث سے فکر اور فعل انکا مبرا ہے  
 جو اکٹھ پنے پہ پڑتی ہے نظر معشوق آتا ہے  
 اسے تو نفس نار گر بیاں کے برابر ہے  
 ہجوم کثرت عالم میں رہ کر میں الگ اُس سے  
 خبر رکھتے ہیں گل کی آپ سے وہ حجب ہو کر  
 مذاق بادۂ عرفان غلیل آئینہ نہیں منسو  
 نظر آتا ہے غیر اپنا محبت ایسی ہوتی ہے  
 فروغ حسن کی تاثیر و طاقت ایسی ہوتی ہے  
 نگاہ جو نظارہ کی حیرت ایسی ہوتی ہے  
 جواز خود رفتہ ہیں انہیں لطافت ایسی ہوتی ہے  
 کمال عشق میں عاشق کی مورت ایسی ہوتی ہے  
 جنوں عشق میں عاشق کی وحشت ایسی ہوتی ہے  
 یہ ہوئے ہیں مودعا اور وحدت ایسی ہوتی ہے  
 نے عرفان کے سرستہ کی غفلت ایسی ہوتی ہے  
 بتائیں کیا تمہیں سنے کی لذت کیسی ہوتی ہے

### غزل توحید

میں تم آپ کو ہم نے جب اسکو تیریں پایا  
 نشن پنا یا بر باد جب اسکا نشن پایا

وہی ہے دیر میں جلوہ وہی ہے نور کعبہ کا  
ہو الاول ہو الآخر ہو الظاہر ہو الباطن  
وہی ہر رنگ میں ظاہر وہی ہر طرز کا ماہر  
نہی عرش اور وہی کرسی وہی لوح و قلم نگار  
وہی آیا نظر میں اور وہی غائب رہا سب سے  
یہ راہ وحدت ہی غلیل اسمیں سنبل کر چل

### ایضاً دیگر

احمد احمد میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
معرفة کا کھلا راز تو جانا میں نے  
اپنی ہستی کے مرقع کو جو دیکھا میں نے  
جب مٹا رنگ خودی میں نے خدا کو پایا  
دل سے ڈھونڈوں تھا جسے دل ہی میرا پایا  
عرفۃ کجہ امواج تو ہم ہی رہا  
دل کے پردہ میں خدا تھا یہ نہتی مجھ کو خبر  
رازی الفسک میں جو ذرا فک کر کیا  
کھل گئی آنکھ تو ہر ذرہ میں دیکھا اسکو  
مجھ کو پیدا جو کیا امت احمد میں غلیل

### غزل توحید

بے کس میں نہاں اسکو جو اظہر نہیں دیکھا  
وہ کون ہے اسکا جسے منظر نہیں دیکھا

کیا اس میں ملامت کو جو اپنے کو مٹا یا  
 کیا کھدول گماں کس پہ تھا اور کس کو پتہ یا  
 یہ کیسی فنا ہے کہ عناصر نہ فنا ہوں  
 اک عمر شاد و رہے اور عمر گنوائی  
 دیکھا گل رخسار مجازی کو جو عارض  
 جب ہم نے فنا کو ہی فنا کی تو یہ پاتیا  
 دُنیا کو کیا ترکِ ظلیٰ تسل آپ نے ایسا  
 ہم ہی نہ رہے جب تو مقرر نہیں دیکھا  
 جزا سکے جہاں میں کوئی بہتر نہیں دیکھا  
 فانی کے اُسی جسم کو اکثر نہیں دیکھا  
 پر بحر حقیقت کا وہ گوہر نہیں دیکھا  
 پھر اُسکو کبھی آنکھ نہ ہی بھر کر نہیں دیکھا  
 جزا اپنے کسی اور کو باہر نہیں دیکھا  
 پھر کر ہی تو اُسکو کبھی پھر کر نہیں دیکھا

### ایضاً دیگر

ہر شے میں مجھے وہ قد دل جو نظر آیا  
 بابل کی ہر آہنگ میں ہر رنگ میں گل کے  
 منصور نہ تھا صورتِ انالقی تہی زباں پر  
 بچو دیکھا موسے کو کیا طور کو مسرور  
 احمد میں خلیل اور احمد میں جو فنا ہے  
 ہر رنگ میں ہر رنگ میں ہر شان میں پایا  
 ہر برگ میں ہر شاخ میں دیکھا وہی پایا  
 کیوں جسم کو منصور کے سولی پہ چڑھا یا  
 کیا کیا ترے جلوے نے نشانہ دکھایا  
 دیکھا تو حقیقت میں بقا اس کو ہی پایا

### زمزمہ توحید

ایک تو اور ہر جگہ ہے تو نہ ترے زن نہ تو کسی کا شو  
 نہ کسی کا پسر ہے تو نہ ابوت نہ کہیں خلق میں ترا ہے کنو

مالک الملک لا شریک لہ

وحدہ لا الہ الا ہو

ہر زمانے میں تہی مخلوقات سب پہ تیری نظر ہے دن و رات

اور جادو نبات و حیوانات سب کی ہی تیرے ہاتھ موٹی جیتا  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الا ہو

معرفت تیری گرچہ ہر دشوار کیونکہ فرما چکے ہیں بالکل ار  
 ماعرفناک احمد مختار پر تو ہی دو جہاں کا ہے کرتار  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الا ہو

تیری قدرت کے ہیں جو مصنوعات دیکھتے یا پرستے ہیں دنرات  
 سب بتاتے ہیں تیرے بھید کی بات کہنے سب ہیں کہ اک ہی تیری ذات  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الا ہو

جس نے ہم کو دئے ہیں یہ جو ہر عقل و ادراک نطق و سمع و بصر  
 کیا وہ دیتے نہیں ہیں ہم کو غیر ہے وہی ایک خالق اکبر  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الا ہو

یہ نہیں ہے نبی کا فرمانا تو نہیں مطلق اس کو پہچانتا  
 باں کما حقہ نہیں جاننا ورنہ گویا ہے خلق کا مانا  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الا ہو

جتنی چیزیں جہاں میں ہیں موجود سب دکھاتی ہیں شان رب ودود  
 سب بتاتی ہیں قدرت معبود سب سے ثابت ہے یوں خدا کا وجود  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الاہو

سب پہ ظاہر ہیں حکمتیں تیری سب پہ روشن ہیں صنعتیں تیری  
 سب پہ نازل ہیں رحمتیں تیری سب سے کہتی ہیں نعمتیں تیری  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الاہو

تو نے پیدا کیا زمانے کو تو نے پنہاں کیا خزانے کو  
 عیب پیدا کئے چھپانے کو شان لطف و کرم دکھانے کو  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الاہو

تیری قدرت کے بھید وہ جانے تجھ میں گم ہو کے تجھ کو پہچانے  
 کر کے بجائیں چہان کے سیانے اے ذبیح اب لگے ہیں سب گانے  
 مالک الملک لاشریک لہ  
 وحدہ لا الہ الاہو

توحید کا مضمون نہ مٹا آگیا نہ وہ ختم ہوا اس لئے بقیہ اشعار کبیر صاحب کے یہاں لکھ دینا ضروری ہے  
 بھولتوں بھولتوں بھول ایسی بڑی اپنا روپ نہیں نیک جانا  
 گیان بچار بیک بن بھولیاں سنگھ کا روپ لے بھیڑ مانا

۱۵ اشعار قصہ طلب ہیں۔ کسی چودا نے ایک پوشیر کا بھٹروں میں پالا (باقی اگلے صفحہ پر)



سنگھ سے سنگھ جب سنگھ ٹٹیر کی اپنی نکت آنا  
 دیکھ تو بوجھ تو روپ ہے اپنا کون سی آنکھ نہ نہ ہانا  
 جیو سے برم ہے برم سے جیو ہے نیر اور چھیر لے ملا جہانا  
 کہے کبیر گر گیا ن بن بھولیاں وار کو چہن اور پار جانا  
 غمٹی ہو کے دھرے دہیان گر ہے ہو کے کہتی گیا ن  
 جو گی ہو کے کو لے بھگ کہیں کبیر یہ تینوں ٹھگ  
 شاہ کبیر کہتے ہیں س

پڑے بھے دکھ بہت ہی چھوٹی سی دکھ دور  
 خوب پر کہہ کی دیکھ کبیر ایہ مرد نکا گانوں  
 تارے سب نیارے ہیں کہیں چاند اور سور  
 اسیں جگ بھر کوئی نہ جیا کس کا بیچے ناؤں  
 پیر پیر مر گئے مر گئے جسنگم جو گی  
 راج کز تاراجہ مر گئے مر گئے بیدار روگی

(تیسرے صفحہ ۴۴) جب وہ بڑا ہو گیا تو بیڑوں کے ساتھ رہنے لگا۔ اُسے سمجھ لیا کہ میں بیڑیوں ایک ذرہ جنگل میں سی  
 شینہ تھا اور یہ کہ بیڑوں میں شیر پینے نا ہے۔ اُسے معلوم کیا کہ اُسے اپنی آپکو بیڑ مان رکھا جو جنگلی شیر جب پٹا ایک بیڑ  
 بوجھ پھاڑ کر کہانے لگا اور کہانہ ذرا تو ہی تو اپنی آپکو دیکھ کہ تو کون سی۔ ایسا ظم کہتا ہے کہ بھول نے انسان پر ایسا غلبہ کیا  
 تو کہنے اپنے بھول گیا اور عقل پر ایسا پردہ پڑا کہ شیر ہو کر بیڑ بن گیا۔ شیر کو جب شیر ہی سستہ گولے تو کھانے لگا میں  
 ہاتھ تیرا۔ رانور سے اپنی شکل کو دیکھ کہ تو کون تو اور کہان سے آیا اور کہاں آ کر محبت لگائی۔ روح اور ذات میں  
 کچھ نہ تھا۔ اور یہ بات میری وہ سبھی کا جو پانی اور دودھ کو جدا کر دیتا۔

نہا گئی، جو میرے میں فرماتے ہیں کہ بغیر عنایت تو گئے اس دریا سے پار اترنا مشکل ہے۔  
 سہ ملی فٹ باز گرے دنیا دار۔ گیان معرفت جو گی آزاد قلند بھگ ستر عورت۔ مطلب یہ کہ۔ جو نشہ باز ہو کر  
 مرقبہ کہے اور دنیا دار ہو کر معرفت میں گفتگو کرے۔ اور آزاد قلند ہو کر عورت سے ہم صحبت ہو۔  
 کہہ کہتا ہے کہ یہ تینوں ٹھگ ہیں۔

چند امرے سورج مرے مرے برن اکا سا

چودہ طبق پانی میں ڈو میں ان کی چھوڑو آسا  
 رام مر گئے کرشنا مر گئے مر گئی لکھو بائی اسکو ساد ہو کیوں نہیں پوچو جگمو موت نہ آئی  
 ایک سمر لی الکھ نرنجن جھنپہ جگ ایجا یا کہیں کبیر اسنوری ساد ہو چھوٹی جگ پر مایا  
 تنقید کرنے سے اوپر کا شعر نمبر ۱۔ گڑ بڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ شاہ کبیر اس مقام پر چوک گئے  
 اس جہان کو جو تانا بھنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارشاد باری ہے۔ سرتنا ما خلقت  
 هٰذَا اَبَاطِلًا ۱۱ اے پروردگار ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ جہان بے فائدہ)

شاہ کبیر ایک روز اپنا تانا بانا سنوار رہے تھے کسی شخص نے پوچھا کہ مہاراج کیا کرتے ہو  
 جواب دیا کہ اوسرے توڑتا ہوں اُدھر جوڑتا ہوں۔ پھر پوچھا کہ یہ آپ کے سر پر کیا ہے کہا کہ  
 کوچ ہے۔ سچ یہ ہے کہ جب تک انسان کے سر پر کوچ سوار نہیں ہوتا اُدھر سے توڑتا  
 اُدھر جوڑتا نہایت مشکل ہے۔

شاہ کبیر کے گھر میں ایک روز چور گھس آیا کہ اسکا پیچھا چوکیدار کر رہا تھا چور نے صاف  
 کہہ دیا کہ میں چور ہوں۔ سپاہی میرے پکڑنے کو آ رہے ہیں۔ شاہ کبیر نے کہا کہ یہ میری بیٹی سوتی  
 ہے تم ہی اس کے پاس سو جاؤ۔ چور اُسکے پاس سو گیا۔ جب سپاہی کبیر کے گھر آکر چور کو  
 دریافت کرنے لگے تو انہوں نے کہا صاحب چور تو نہیں ہے۔ یہ میری بیٹی اور داماد سوتے  
 ہیں۔ وہ ان کو سوتے دیکھ کر چلے گئے۔ پھر چور اُٹھا اور تائب ہو گیا۔ یہ جو کسہ نفسی اور  
 حاجت روائی خلق۔

۱۱۔ ایک کو اختیار کر ایسا ایک جو نظر نہیں آتا اور سب گھٹ میں سمایا ہو ہے جس نے جہان کو  
 پیدا کیا۔ کبیر کہتے ہیں سنو یا رو دھوئے جگ میں پھر کوئی آیا ہے۔

سید احمد خان صاحب بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بابتہ بھی ہم نے سنا ہے کہ ایک طالب علم جو صوبہ متحدرہ میں اول درجہ کے ڈپٹی کلکٹر رہ چکے ہیں اُن کے فرضی بھتیجے یا داماد بنکر ایک مصنوعی چٹائی اُن کی جانب سے لکھ کر کسی لفٹنٹ گورنر سے خواستگار ڈپٹی کلکٹر ہی ہو جو سید صاحب کا دوست تھا۔ اُس نے فوراً ڈپٹی کلکٹر ہی عنایت کی اور سید صاحب کو لکھا کہ آپ کے بھتیجے یا داماد آئے تھے اور آپ کا خط لائے تھے ہم نے ڈپٹی کلکٹر کر دیا ہے سید صاحب نے اُن جناب کو خط لکھا کہ ڈپٹی کلکٹر سی مبارک ہو مگر بھتیجے یا داماد ہی بنے رہنا کوئی اور رشتہ نہ تھا ہم کہہ لینا۔ یہ ہتی کسر نفسی اور اثیر۔ اب ایسے لوگ کہاں۔ آدمیاں گم شدند۔ شاہ کبیر فرماتے ہیں

تن دہر سکھیا کوئی نہ دیکھا جو دیکھا سو دکھیا رے  
 ڈگر چلتی سب گھٹ دکھیا کیا گھٹے اور بیراگی رے  
 سکھا چارج دکھ ہی کے کارن گرہے آیا تیاگی رے  
 اوڈے است کی بات کہت ہوں تاکو کرے بیکارے  
 اونچے چڑھ چڑھ دیکھ تماشا گھر گھر ایک ہی لیکھا رے  
 چاند دکھت ہے سورج دکھیا بسدن پھرت جائی رے  
 برہا بشن مہیش دکھت میں جن پہ ہاٹ لگائی رے  
 جوئی دکھیا جگم دکھیا تپیشا کو دو نارے کو

۱۰ جسم والا	۱۱ گھر راستہ	۱۲ جگہ	۱۳ دینا دار
۱۴ نام شاعر	۱۵ تارک الدنیا	۱۶ طلوع غروب	۱۷ گیان
۱۸ حساب	۱۹ دکان		

آٹھ تترشہ سب گہٹ پوری ایکو محل نہ سونا رے  
 دھوت دھبی ابدھوت دھبی ہیں اٹل کا ذکر ہی کتنا رے  
 کہے کبیر سنو بھائی سا دھو کوئی مندر نہیں سونا رے (یعنی کوئی جگہ دکھ سے خالی نہیں)  
 المنحقر شاہ کبیر کی زندگی کا خاتمہ شاہی میں ہو گیا۔ اور فیصلہ ہر فریق نے اپنے حق  
 میں خیال کیا۔ صاحب گنریٹ بستی لکھتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ کبیر شاہ کس مذہب کے  
 تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے دونوں مذہب کی ایک ہی جوش کے ساتھ پیروی کی اور دونوں  
 مذہب والے اس بات کو مانتے ہیں کہ اُن کی تعلیم میں دونوں مذہب کے لوگوں کی واسطے  
 مفید باتیں تھیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ

ذات پات پوچھے نہ کوئے ہر کو بکھے سوہر کا ہوئے  
 شاہ کبیر کی ہندی شاعری کے چند نمونے اوپر دکھائے گئے ہیں جن کی دلچسپی  
 کے وہ نمونے خود گواہ ہیں۔ ایسے ہی

ہندی شاعری میں تلسی داس خاص طور سے قابل ذکر خیال کئے جاتے ہیں ہم  
 چاہتے ہیں کہ اُن کی صوفیانہ رنگ کی ہندی شاعری کے چند نمونے ہدیہ ناظرین کرنے  
 سے قبل اُن کی منحقر سوانح عمری ہی آگاہی ناظرین کے واسطے لکھ دیں اور اس کے بعد  
 انکی ہندی شاعری کے نمونے دکھلائیں۔

### گوشتائیں تلسی داس جی کی سوانح عمری

گوشتائیں تلسی داس جی ڈانڈا کے برہمن اور موضع راجپور ضلع واہدہ کے  
 متوطن تھے۔ اُن کے والد کا نام آستارام وندیسی اور والدہ کا نام دھانیسی تھا۔

لے خواہش دینا سٹہ فرشتہ سٹہ غیر فرشتہ

آپ کی پیدائش سبب ۱۵۸۹ء میں ہوئی۔ چونکہ ہندو شاستروں کی رو سے آپکا وقت پیدائش ایک ایسی گھڑی تھی کہ مولود کو ہمیشہ کے لئے گھر سے نکال دیا جائے۔ لہذا آپ کے والد نے جو اپنے مذہب کے ایک پکے معتقد تھے اُن کو باہر پھینک دیا مہاتما ترسنگ داس سادہ ہونے اُن کو اٹھا کر اپنی گلی میں منگوا لیا اور اچھی طرح سے ان کی پرورش کی۔ اور جب ذرا ہو شیار ہوئے تو دگر دو کشا، دیکرا نکو اپنا شاگرد بنالیا۔ اور ان کا نام تسلی داس رکھا۔ اس سے پیشتر وہ ہمیشہ ان کو رام بولا کہ نام سے پکارا کرتے تھے۔

ان دنوں ایک مشہور پانچک مہاتما دین بندہ قریب ہی رہا کرتے تھے ان کی بیٹی رتناولی نہایت خوبصورت اور نازک بدن تھی۔ باپ کی تعلیم و تلقین نے لڑکپن ہی سے اُسکے دل میں ایک اچھا بیج بودیا تھا۔ اس نیک تربیت کے باعث وہ ایک خدا پرست لڑکی بن گئی۔ جب بالغ ہوئی تو باپ کو اُس کے شادی بیاہ کی فکر ہوئی۔ اوہر گوشائیں تسلی داس جی بھی سن جو عفت کو پہنچ چکے تھے۔ ایک آدمی کو درمیان میں ڈال کر گشائیں جی نے اپنا عندیہ مہاتما دین بندہ پر ظاہر کیا۔ اُنہوں نے یہ درخواست منظور کر کے نہایت ہوم دھام کے ساتھ دونوں کی شادی کر دی۔ حتیٰ کہ یہ جوڑا ایسا اچھا بندہ کہ اس کی نظیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک عالم اور خدا پرست شخص کو جو خوشی ایک تربیت یافتہ اور نیک بیوی کے ملنے سے ہوتی ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ مہاتما دین بندہ جی بھی ایک قابل داماد ملنے کے باعث از حد خوش تھے۔ نیک رشتہ والی ہمیشہ شوہر کی خدمت و پاسداری میں مشغول رہتی تھی۔ گشائیں جی کو اُن سے اس قدر الفت و محبت تھی کہ دم بھر بھی انہیں اپنے پاس سے جدا نہ کرتے تھے کچھ عرصہ بعد ندائے تعالیٰ نے اُن کو اولادِ نرینہ عنایت فرمائی کہ جس کا نام تارک

رکھا گیا۔ اس الہی بخشش سے اُن دونوں کا رشتہ اُلٹ اور یہی مضبوط ہو گیا۔ رتناولی کے والد نے کئی بار اس کے بلانے کو آدمی بھیجا مگر گشتائیں جی نے اس کی جدائی کو منظور نہ کیا۔ آخر کار رتناولی کا بہائی اسے اپنے ہمراہ گھر لے جانے کے لئے آیا۔ اس دفعہ اُس نے خود بھی اپنے باپ کے گھر جانے میں زور لگایا۔ مگر گشتائیں جی بالکل راضی نہ ہوئے۔ اتفاقاً کسی کام ضروری کے لئے گشتائیں جی کو باہر جانا پڑ گیا۔ رتناولی بلا اجازت انکی عدم موجودگی میں بھائی کے ہمراہ باپ کے گھر روانہ ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد گشتائیں جی واپس آ گئے۔ رتناولی کو وہاں موجود نہ پا کر سخت بیکل ہوئے۔ ادھر ادھر بڑھوڑ ہا کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر اس پاس کے رہنے والوں سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے۔ گشتائیں جی تابِ بغاوت نہ لاکر فوراً سسرال کی طرف روانہ ہو پڑے۔ رتناولی ابھی رشتہ داروں سے ملنے ہی نہ پائی تھی کہ گشتائیں جی بھی جا پہنچے۔ ان کو دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئی جھٹلا کر خوشامدانہ لہجہ میں بولی۔

”پران ناہنتہ! جو محبت تم کو مجھ سے اور میرے ناپائندہ جسم سے ہے اگر یہی محبت شری رامچندر جی سے ہوتی تو دین و دنیا دونوں کما لیتے“

گشتائیں جی ایک گلیا فی پنڈت تھے۔ اُن کے دل پر یہ بات تیرہ کی طرح لگی۔ اور کچھ عرصہ کی بھی ہوئی آگ ایک دم چمک اٹھی۔ فوراً تمام دنیوی تعلقات پر لات مار کر کاشی جی۔ (بنارس) کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہچکر رات دن یاد الہی میں مگن رہنے لگے۔

گشتائیں جی کی زندگی کا سب سے مشہور واقعہ یہی ہے کہ جس نے اُن کی آن میں اُن کی کایا پلٹ دی۔ عورت کی ایک ذرا سی بات نے اُن کے دل کو ہمیشہ کے لئے دُنیا سے موڑ دیا۔ اور رفتہ رفتہ اُس کا یہ نتیجہ نکلا کہ رامائن جیسی مشہور و معروف

کتاب آج دنیا میں موجود ہے۔ یہ وہ نہ مٹنے والی یادگار ہے جو ہزاروں لوگوں کو گھر کے  
ہوئے ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں جو ہر دلعزیزی اور شہرت رامائن کو حاصل ہو وہ  
کسی اور کتاب کے حصہ میں نہیں آئی کہنے کو ایک مہاراجہ کی سوانح عمری ہے مگلا سین  
فرائض کے ایسے بہترین نمونے پیش کئے گئے ہیں کہ جن کی نظیر مشکل سے ملے گی اس میں  
اُس زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے جو قدیم آریوں کی نگاہ میں مکمل کہلاتی تھی۔ کچھ شک  
ہے کہ ہندو اس کتاب کے زیر بار احسان ہیں۔ کوئی ہندو خواہ کسی فرقہ یا گروہ کا  
ہو ایسا نہ لیگا جس نے رامائن کو پڑھایا سنا نہ ہو اور اس کے دل پر اُس نے نیک اثر  
نہ ڈالا ہو۔ یہ درست ہے کہ رامائن ایک قصہ ہو مگر دراصل یہ وہ بے نظیر قصہ ہے کہ جس کے  
مطالعہ سے پڑھنے والے کے دل میں وسیع خیالات سراپت کر جاتے ہیں اور وہ اوصاف جو  
کمالات انسانی کا زیور ہیں ہمارے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ راست بازی۔ ایقانہ  
عہد۔ فرزندانہ اطاعت پدرانہ محبت و علم۔ استقلال عفو۔ غرضیکہ کوئی ایسی خوبی نہیں ہے  
جسے جادو نگار شاعر نے نظر انداز کیا ہو۔ مگر وہ بات جس کے باعث دیگر اقوام و مذاہب کے  
لوگ ہیرامائن کو اپنے دلوں میں اچھی اور ممتاز جگہ دیتے ہیں یہ ہے کہ اوس نے ہندو  
علم ادب ایک اعلیٰ نمونہ دینا کے سامنے پیش کیا ہے اور یہ کامیابی کچھ شاعرانہ بلند  
بہداری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسکے مصنف کی غیر معمولی قابلیت اور دیگر خدا داد  
عطیات کی بدلت ہے۔ گریفٹھ صاحب کا یہ قول کہ رامائن دنیا میں ہر وقت اور ہر  
ملک کی علم ادب کو برابر کامیابی کے ساتھ چیلنج دیتی رہے گی اور انسانی کمال کی یہ ہے  
مکمل تصویریں ورام اور ستیا میں نظر آتی ہیں کہیں اور

نہ ملیں گی۔ ایک حد تک درست ہے۔

گشتائیں تلسی واس جی کے باب میں مولف رہنمایان ہند نے لکھا ہے کہ وہ شروع شروع میں راجہ صاحب بنارس کے دیوان بھی رہے ہیں۔ اور لہذا زان فقر و زہد اختیار کر کے بندہ بننے کو چلے گئے۔ بہت سے مقامات کا سفر کیا اور پھر بنارس میں واپس آئے۔ اور یہیں پر رامائن لکھی۔ اور آخر زندگی کا حصہ ہی اسی شہر میں گزارا۔

کہا جاتا ہے کہ شری راجندر جی نے گشتائیں جی کو خواب میں حکم دیا کہ وہ رامائن کو قلمبند کریں۔ چنانچہ انہوں نے سببت ۱۶۳ میں رامائن لکھنی شروع کی بال کاٹھ میں اس کے شروع کرینکی تاریخ لکھتے ہیں۔ ۷

سببت سولہ سو اکتیس  
کرول کتاہر پد دہر سیسا  
نومی ہوم وار دھو ماسا  
اودھ پوری پہ چرت پرکا شسا

گشتائیں جی پہا کتا زبان کے شاعروں میں بہت ممتاز مانتے جاتے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی رامائن کی دو کتابیں اب بھی متبرک سمجھی جاتی ہیں۔ ایک توان کے وطن راجہ میں ہے اور دوسری شری سیتا رام جی کے مندر بنارس میں۔ ایک اور بہت پرانی کتاب مہاراجہ کاشی کے پاس بتائی جاتی ہے۔ مگھوئس کی نسبت یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ گشتائیں جی کی اپنے ہاتھ کی لکھی نہیں بلکہ اُن کی وفات کے چوبیس برس بعد یعنی سببت ۱۷۷ میں اُن کے خود نوشت نسخے سے نقل کی گئی ہے۔

گشتائیں جی کی تصانیف اس قدر ہیں (۱) کتب رامائن (۲) رام گیتا اولی (۳) دوہاولی (۴) بنے پتر کا (۵) کرشن گیتا اولی (۶) رام ست سنی (۷) رام لست (۸) نہلو (۹) بیراگ سندھینی (۱۰) سدھار مائن (۱۱) کستھلی مائن



(۱۲) رولارائن (۱۳) کڑھارائن (۱۴) جھونارائن (۱۵) پاربتی منگل (۱۶) جاکلی منگل  
(۱۷) سنگت موچن (۱۸) مہومان ناگ (۱۹) رام شکوتا ولی۔

گشتائیں جی نے اسی گہات پر بنارس میں ۹۱ برس کی عمر میں یعنی سن ۱۶۸۸ میں وفات  
پائی جیسا کہ اس دوہے سے معلوم ہوتا ہے ۵

سمیت مولہ سواسی اسی گنگ کے تیرلہ شزلون شوکلاستی تلتی تجیو شریہ  
گشتائیں تلتی داس کے ہندی کی پیاری شاعری کا صوفیانہ انداز۔

”بھاشا میں جواہرات“ واضح ہو کہ بھاشا کی قدر و قیمت سے جتدر مسلمان  
غافل ہیں اُن سے بڑھ کر ہندو غافل ہیں۔ حالانکہ وہ اسکو بھارت ماتا کی زبان بتاتے ہیں۔ اب انکی  
ماتابھاشا نہیں ہی بلکہ وہ اردو ماتا کی گود میں اگئی۔ سوتیلی ماتا ہی آخر ماتا ہی ہوتی ہے۔

بھاشا نہایت پیاری بولی ہے۔ کیونکہ اسکی ماتا سنسکرت ہے۔ جو قدیمی مستقل زبان ہے  
اور نہ صرف بھاشا کی بلکہ کئی زبانوں کی ماتا ہے اور دنیا کی نہایت پرانی زبانوں میں ہے۔ بھاشا  
میں بڑے بڑے نچر لہجہ شیل شعر اگدے ہیں۔ مگر ان کا کلام گنتا می کے دیرانے میں مدفون ہو گیا  
تھالیب اس زمانے کے جوہریوں نے خاک بیزی کر کے اُن کی تصنیف و تالیف کے بے بہا جوہر  
نکالے اور آویزہ گوش ناظرین بنائے۔ مہاراج تلتی داس مولفہ کتاب رائن بھاشا کے

ممتاز شعراء میں سے ہیں۔ اُن کا کلام ایسا ہی چُست اور مضبوط و مربوط ہے جیسا فارسی میں  
مولانا نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ کا اور عربی میں متنبی کا۔ قل و دل اور بالکل ٹھوس اور بھکا  
ہوا کلام۔ روز اور حشو نام کو نہیں۔ روی ایسی سچی کہ سبحان اللہ افسوس ہو کہ ہمارے  
اردو شعراء کو بھاشا کی شاعری کا مذاق نہیں۔ اکثر شاعرانِ عزّاز تو خیر سے خود شاعری کی

۵۱ نزدیک سے شکاف جو کسی چیز میں پڑ جائے سے بھرنا۔ وئی وغیرہ کا کسی نگینہ یا لہان میں

ماہیت ہی نہیں سمجھتے۔ اُردو شاعری کی حالت عام طور پر اب تک طفلانہ ہے۔ اب ذرا کایا پلٹ چلی ہے اور سوشیل شعرا رگہوارے میں ہوں ہاں کرنے لگے ہیں۔ مگر ہونہار۔ لہذا جلد بڑھنے اور پہونے پھلنے کی امید ہے۔ ہم ذیل میں تلسی داس کی کتاب راما ئن میں بے کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ٹیکا شرح ہی۔ کیونکہ مسلمان تو راما ئن سے اشعار کی فصاحت و بلاغت و نزاکت کیا سمجھیں گے ہزاروں پندت نہیں سمجھتے جن کی نسبت بیاس جی فرماتے ہیں۔ کہ مور کہہ (دجاہل) برہمن سے بیل اچھا جو کھیتی وغیرہ کے کام میں آتا ہے۔

مہاراج رام چندر جی بن میں براج رہے ہیں۔ بہا ر آئی ہے۔ گھٹا چھائی ہے  
برسات کا موسم ہے۔ تلسی داس جی اس سے کاسین دکھاتے ہوئے فرماتے ہیں ۷  
منگل روپ بھئے بن تب تیں کینہہ لو اس ر پانت جب تیں  
شرح۔ جب سے رام چندر جی نے باس لیا (قیام کیا) بن منگل روپ بن گیا  
رونق آگئی۔ پھول پہلواری پر جو بن آگیا۔

برکھا کال میگہہ بنہ چھائی گرجت لاگت پر م سہائی  
شرح۔ برسات کے دن آگئے۔ بادل آسمان پر گر جتے ہوئے بہت ہی  
بھلے لگتے ہیں۔

## دوہا

لچھن دیکھو مور گن ناچت بار دیکھہ گرج ہی برت رت پر کہہ جن بشن بھگت کنہہ  
شرح۔ اے لچھن (رام چندر جی کے بہائی) دیکھو تو بادلوں میں پانی کی لہریں  
دیکھ کر موروں کے جھنڈ تارچ رہے ہیں۔ جیسے کوئی خدا پرست گرسی د بال

بچوں والا) جگتوں (عارفوں) کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے ۛ  
 گمن گھمنٹ بنو گرجت گھورا      پر یا بن ڈر پت من سورا کسو  
 شرح- بادل اُڈ اُڈ کر آسمان میں گھور گرج رہے ہیں۔ میرا دل اپنی محبوبہ  
 (جان کی جی) کے بغیر ڈرتا ہے۔ جان کی جی کو راؤن ہر لے گیا تھا۔ اُنہیں کی  
 تلاش میں آپ جنگلوں اور بنوں میں پھرتے ہیں ۛ  
 دائیں دمک رہی گمن مسا ہیں      کھل کی پریت جتا تھنا نہیں  
 شرح- بھلی بادلوں میں چمک چمک کر رہ جاتی ہے جیسے بیوقوف دشت کی  
 محبت قابل اعتبار نہیں ہوتی ۛ

برکھیں جلد سجدو منیرائی      ستھانو ہیں بدھو دیا پائی -  
 شرح- بادل زمین کے قریب آکر اس طرح رہتے ہیں جیسے علم پڑھ کر سچے علماء  
 بنو جاتے ہیں۔ یعنی منکسر اور فروتن بن جاتے ہیں۔ (جس طرح بادل پانی سے بھر پور  
 رہتے ہیں اسی طرح علماء علم سے معمور رہتے ہیں کتنی بلیغ اور عمدہ نظیر ہے)  
 بُدا گہات سہیں گر کیسے      کھل کے پچن سنت سہیں جیسے  
 شرح- پہاڑ مینہ کی بوندوں کی چوٹ اس طرح سر رہے ہیں جیسے اچھے  
 لوگ جاہلوں کی سخت کلامی سہتے ہیں۔ یعنی جس طرح اچھے صابر شکر لوگوں کو  
 جاہلوں کی گالی گلوچ سے اذیت نہیں ہوتی پہاڑوں کو بھی بوندوں کی چوٹوں سے  
 اذیت نہیں ہوتی۔ (کیا اخلاقی تشبیہ ہے)

چھدر ندی بھر چلی اترائی      جس تھوڑے دھن کھل پورائی  
 شرح- چھوٹی چھوٹی ندیاں پانی سے بھر بھر کر آپے سے باہر ہو کر چل ہی

ہیں جیسے کوئی اوچھا کم ظرف آدمی تھوڑا سا روپیہ پا کر بادلا ہو جاتا ہے یعنی اچھلنے کودنے لگتا ہے۔ بلاغت یہ ہے کہ مذی کا پانی اُس کا اپنا نہیں۔ برسات میں ادھر اُدھر سے آگیا ہے۔

بھوم برت بھٹا بر پانی جم جیو ہی مایا لپٹا فی  
 شرح۔ زمین پر مینہ کا صاف اور پاک پانی گر کر یوں گدلا اور ناپاک ہو رہا ہے جیسے  
 روح دنیا کی آلائشوں میں لپٹ کر مکدر ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کوئی شعر اخلاقی نتیجہ و غالی نہیں  
 سترتا سر جل ندو میں جانی ہوئے اجل جم نہ ہری پانی  
 شرح۔ ندیوں نالیوں کا پانی سمندر میں جا کر یوں گم ہو رہا ہے جیسے عارف لوگ  
 خدا کو پا کر خدا ہی میں گم ہو جاتے ہیں۔ اُو ہو ہو ہو۔ شوکت ۵

اے خضر راہ دوست میں کھو یا گیا ہوں میں اپنے کو ڈھونڈتا ہوں تپا دی مرا مجھے  
 سمٹ سمٹ جل بھریں تلاوا جم سگر گڑ سجن پنھ آوا  
 شرح۔ پانی سمٹ سمٹ کر تالابوں میں اس طرح آ رہا ہے جیسے نیک آدمیوں  
 کے پاس اچھی خصلتیں خود چلی آتی ہیں۔ واہ

تلسی داس جی کے کلام میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ برسات کا نیچرل سماں ہی  
 لا جواب۔ پھر ہر شعر میں اخلاقی چھیٹا۔ جدھر سے چکھو میٹھا کیسا مبالغہ۔ اور ایک لفظ غفلت  
 واقعہ نہیں۔ شاعری اسے کہتے ہیں۔ ہمارے اردو شعرا غور کریں اور سبق لیں ۵

## معرفت کا رنگ

ماٹی میں ماٹی ملی اور ملی پو ن میں پون میں یوں بوجھوں موزی وادو میں مورا کون

جب آدمی مرا تو مٹی میں مٹی مل گئی اور ہوا سے ہوا مل گئی۔ اے بہانی میں تجہ سے یہ  
پوچھتا ہوں کہ دونوں میں کون مر گیا۔ ۷

جیلے کوئی ایسے من کو نکا دے من کے لگایوں سے ہر پاوے  
جیسے کاؤں بھرت کوپ جل کر چھوڑت مسکاوے  
اپنا پریم سکھی سے باکھی سرتی گلر میں لاوے  
جیسے مٹی چڑھت بانس پر نواڈ ہول بجاوے

اپنا بہار دتول ویہی کا سرتی بانس میں لاوے  
بکری جو میں میں کرے گلے چہرہ ہی پھر واے

مینا جو میں نا کہے سب کے من کو سجاے  
گو سفند جو ہمیشہ میں میں کرتی ہے یعنی انانیت اور خودی کا اظہار کرتی ہے وہ  
قصاب کی چھری کا تشکار ہوتی ہے مگر مینا جو میں نا کہتی ہے یعنی انکار اور فنا  
فی الذات رہتی ہے وہ سب کے پسند ہے۔

### ہستی ناپائدار

مالی آیا بارغ میں کلییں کریں پکار کھلی کھلی سب بین لیں کال ہماری بار  
یعنی مالی نے بارغ میں آکر کھلی ہوئی کلیاں سب چن لیں۔ کلیاں فریاد  
کرتی ہیں کہ اسی طرح کل ہماری باری ہوگی۔ اس سے فنا اور بقا کے مسئلہ پر

۸ ترجید اور مطلب۔ من دل۔ ہر خدا کاؤں عورت کوپ کنواں۔ جل پانی۔ کر ہاتھ۔ پریم محبت۔ سکھی سہیلی  
باکے بیان کرے۔ سرتی خیال بھگدا گھڑا۔

یعنی جیسے عورت گھڑا پانی کا بھرا ہوا سر پر رکھ کر ہاتھ پھوڑے ہوئی اپنی سہیلی سے شوق کی باتیں کرتی جاتی  
ہو اور خیال اسکا گھڑے میں لگا ہوا ہوتا ہے اور فنی کا خیال بانس میں ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے ساتھ دل  
لگاوے یعنی دست یا کارول یا یار۔

روشنی پڑتی ہے۔

ماٹی کے کُہار سے تو مت روندے موئے اُکدن ایسا آئیگا میں روندو گی تو سے  
یعنی مٹی کُہار سے کہتی ہے کہ تو مجھے مت روند۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ تیری  
مستی کا خاتمہ ہو گا اور میں تہگو روندوں گی۔ یعنی تو زمین میں دفن ہو گا۔

## یاد خدا

تلسی اپنے رام کو بھیج بھوکہ کیج بھوم پڑو سب اچھٹے اٹے سیدھی ج  
یعنی اے تلسی اپنے رام کو چاہے دل لگا کر یاد کر دیا بے دلی سے گھر  
یاد ضرور فائدہ دے گی جیسے زمین میں بوسنے سے اُٹے سیدھے سب بیج پھوٹ  
آتے ہیں۔

## توکل

تلسی بردا باگ کے سینچت بھی کلماتیں رام بھروسے جو رہیں پر بت پر ہر یائیں  
یعنی اے تلسی باغ کے پودے پانی دینے پر بھی کھلا جاتے ہیں مگر جو  
پودے خدا کے توکل اور بھروسے پر ہیں وہ پہاڑوں پر بھی جہاں ان کو کوئی پانی  
نہیں دیتا سہزرتے ہیں۔

## غریبوں کی آہ

تلسی آہ گریب کی ہر سے سہی نہ جائے موئے چام کی پھونک سے لوہ بھسم ہو جائے  
یعنی اے تلسی غریب کی آہ خدا بھی برداشت نہیں کرتا۔ دیکھ لو مردہ کھال  
کے پھونکنے سے لوہا بھی راکھ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غریب کی آہ اپنا اثر دکھلاتی ہے۔

## ظاہر و باطن

تن اُجلا من کا لال بٹے کا سا بھیکہ تو سے تو کا کا بھلا باہر بھیر ایک  
یعنی بٹے کی طرح تن اُجلا اور دل سیاہ ہو تو کیا فائدہ تجھ سے تو کو تا  
اچھا ہے جو باطن ظاہر دونوں میں کالا ہے۔

## فرط شوق اور درفقت

آپیسے مین میں پلک ڈھانپ تو مٹولوں نائیں دیکھوں اور کو نا تو مے دیکھن؟  
یعنی اسے پیارے میری آنکھوں میں آ جاؤ تاکہ میں پلک بند کر کے آنکھوں  
میں بٹھا لوں۔ نہ میں سوائے تیرے کسی کو دیکھوں اور نہ تجھے دیکھنے دوں۔  
کا کہ بھیو تن سو کم کے پر ہے کوئی باس اے دایو لے چل ابھی جہاں پایا کا داس  
یعنی جسم تو سو کم کے تنکے کے مانند ہو گیا لیکن ابھی کوئی سانس باقی ہے  
لے ہوا بچے اُٹا کر لے چل جہاں میرے محبوب کی سکونت ہے۔  
ساجن تو مت جاینو میرے بچھڑے ہوئے چین

دا ہے بن لا کڑی سلگت ہوں دن رین  
لے پیارے یہ نہ سمجھنا کہ تیری جدائی میں بچے چین نصیب ہے۔ میں تو  
رات دن اس طرح جلتا ہوں جیسے جنگل کی لکڑی۔  
ہوں ساجن جانت نہیں پیا بچھڑن کی سار  
جیا بچھڑن سے ہے کٹھن پیا بچھڑن کی بار

لے بھینس بھی پوستے ہیں۔

اے پیارے میں دردِ جدائی کو کچھ نہیں جانتی صرف اتنا سمجھتی ہوں کہ موت کی تکلیف سے فرقت کی تکلیف زیادہ محنت ہے یعنی روح کی جدائی سے غلوں کی جدائی کا وقت نہایت سخت ہو۔  
**”انتظار“**

کا گاسب تن کھائیو چن کھائیو ماس دو دنیا مت کھائیو پیامن کی آس  
 لے کوٹے مرنے کے بعد میرے تمام جسم کا گوشت چن چن کر کھا لینا۔ مگر دو آنکھیں  
 میری نہ کھانا۔ ابھی محبوب کے لٹکے کی امید لگی ہوئی ہے۔ شاعرنے اس دوہے میں  
 اپنے معشوق کے دیکھنے کا ایک سچا اشتیاق ظاہر کیا ہے کیونکہ وہ ایک زارع سے  
 مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ چاہے اُس کے جسم کا سارا گوشت زارع کھائے مگر صرف دو آنکھیں  
 چھوڑ دے چن کے ذریعہ سے وہ اپنے یار کی ملاقات کر سکے۔ یعنی دیکھ سکے۔ اسی  
 کے ہم مطلب اُردو کا شعر لیوں موزوں کیا گیا ہے۔

گوشت ذرہ مبر نہ چھوڑ زارع کھاسب جسم ار دولوں آنکھوں کو نہ کھا تو ہے اُمید دیدار  
 فارسی کے ایک شاعر نے اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے۔

لے زارع بخور صبر و طے کہ درین است گذار و چشم۔ ہوں وید صم است  
 ایک دوسرے دوہے کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

پریت تو ایسی کیجئے کہ جیسے لیٹا دور اپنا گلا پھنسائے کے پانی لائے پور  
 اُردو شاعر نے اس کو یہ لباس پہنایا ہے۔

جیسی لوٹے ڈور میں الفت ہو ویسی چاہ ہو اپنی گردن کو پھنسا کر لایا لوٹا آب کو  
 فارسی میں بھی قلیل کی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ اسی مضمون کا شعر ہے۔

صورتِ ظرفِ درس با ہم محبت بہتر است گردنِ خود از رس بستہ و آب آرو چست



## انتہائے یاس

لکڑی جل کوئلہ بھی کوئلہ جل بھیو راکھ میں برہن ایسی جلی نہ کوئلہ بھی نہ راکھ  
یعنی لکڑی جل کے کوئلہ بھی اور کوئلہ جل کے راکھ ہو لیکن میں بھیو راہیسی جلی  
کہ کوئلہ یا راکھ کچھ بھی نہ ہوئی۔

ساجن تو رے درشن کو ترست ہوں نین تارے گنتی رہت ہوں پلک لگے نائین  
اے پیارے تیے دیدار کو دن رات ترستی ہوں یہاں تک کہ تمام رات تارے  
گنتی ہوں۔ ایک پل آنکھ نہیں لگتی۔

## ہدایت پنک

تلسی اس سنسار میں کر لیجئے دو کام دیوب کو ٹکڑا بھلو لیوے کو ہر نام  
یعنی توجہ دنیا میں آیا ہے دو کام کرے۔ خدا کی عبادت کر اور بھوکے کو  
کھانا کھلا۔

## ہجران نصیبوں ہمدردی

چکوا چکوی دو جے ان مت مارو کوئے یہ مارے کرتارے رین بھو یا ہوئے  
یعنی چکوا چکوی کی نسبت مشہور ہے کہ دن بھر ملکر رہتے پھرتے ہیں مگر  
جہاں رات آئی چکوی دریائے میدان کے کنارے اور چکوا دوسرے کنارے جب  
ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو ایک اڑ کر ادھر آجاتا ہے اور دوسرا اُدھر چلا جاتا  
ہے۔ غرض کہ اسی ہیرا پھیری میں ساری رات گزر جاتی ہے۔ شاعر اسی واقعہ  
کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ چکوا چکوی دو جے ہیں انکو کوئی نہ مارے یہ تو

خدا کے ماسے ہوئے رات بھر اسی بحر و فراق میں رہتے ہیں۔ عاشقان الہی کو جو اُس کے فراق میں دکھ درد پھیلتے ہیں ان کو کوئی نہ ستائے یہ تو ویسے ہی معیبت زدہ لوگ ہیں۔

## وصل الہی

گر بُن بھرم نہ کوئی کھو دے بے لکھ پئے رُو دے

کابل مُرشد جس مل پنداشتا بت ہو کہلو وے

آنکھ ناک منہ موند کے نام نہ بخن لے

بھیت کے پٹ جب۔ کھائیں جب باہر کے پٹ دے

جاکے جیسی لگن ہے واکو رام	روم روم میں رم رہے نہیں اور سو کام
پاس کہو تو پاس ہے اور دور کہو تو دور	جان اجان جہاں میں سمب میں ہے بھر پور
دور کہوں تو دور ہے اور پاس کہوں تو پاس	روم روم میں م رہے جوں پھولن میں باس
بھیت گر پور امل گیو جو کھول دکھائے نین کو	جگ جھوٹا دیکھن لگا جو دے پر یکے سین

نہ آنکھ ناک منہ ہڈ کر کے خدا کا نام لے کیونکہ باطن کے دروازے اُسی وقت کھلتے ہیں جب آدمی باہر کے دروازے بند کر لیتا ہے جب تک ظاہری حواس کو معطل کر کے باطن سے کام نہ لوگے نور الہی کے جلوے نظر نہ آئیں گے۔

مٹے جس شخص کی کسی سے جس قدر محبت ہوتی ہے اُسی قدر اس کا وہ مطیع ہے اور ہمارے تو بال بال میں بس گیا ہے دوسرے سے مطلب ہی نہیں۔

مٹے یعنی ہمارے بال بال میں ایسے بسے ہیں جیسے گل میں خوشبو۔

مٹے یعنی جو کابل لگے انھیں کہو لائیں تمام جہاں جہوٹا معلوم ہوا۔ جب انہوں نے دور سے اشارہ کیا۔

اس راہ دیکھتے دیکھتے وہ بادل دکھائی ہی دیتا ہوا تلی اسکو اپنے عشق میں اسقدر بہرہ رسد ہے۔  
پرینت پہیا سید کی پرکٹ نہیں بچاں یا چک جکت ادھین ان کیو کنوڑ وداں  
یعنی یہ کہ پیسے اور بادل کی یہ ایک نئی محبت ہے دنیا میں جتنے حاجتمند ہیں وہ عاجزی کرتے  
ہوئے ہی دیکھ گئے ہیں یہ ایسا ہے کہ اُسنے اُنسا دینے والے ہی کو جھکا یا ہے۔

تلی چاتک کے متے سواتی بیت نہ پاں پریم ترکہاڑ بڑھتی بھی گٹھی گٹھیسگی کاں  
یعنی یہ کہ اسے تلی پیسے کا یہ خیال ہے کہ سواتی کا پانی برسے بھی تو نہ پیوں کیونکہ عشق  
کی پیاس بڑھتی ہی اچھی ہے اگر گھٹ گئی تو عشق میں کمی ظاہر ہوگی۔

دولت و دل و ہنگ بن بیت پو کھری بار سیش ہول چانگ نول تو بھوول و ش ہار  
یعنی یہ کہ بہت سے پرندے جنگلوں میں اڑتے پھرتے ہیں اور پوکھروں کا پانی پیتے ہیں مگر اسی پیسے  
تیری بے داغ شہرت سارو جہاں میں پھیل رہی ہو اسکا یہ مطلب ہے کہ تو نے جو ایک ہی کا یعنی سواتی  
کے بادل کا اسرا لیا ہو اس سے تیری تعریف سارو جہاں میں ہے۔ دوسرے تو پرندے ہیں جہاں  
انکو پانی ملتا ہو پی لیتے ہیں اور اسلئے اُنکی کوئی تعریف نہیں کرتا ہے۔ شاعر کا اس دوسرے پرندے کا مقصد ہے  
کہ جنہوں نے ایک ہی خداوند متقی کا اسرا لیا ہے وہی قابل تعریف ہیں اور نہ کہ وہ جو خدا کو چوکر در بدر  
بھٹکتے پھرتے ہیں۔

کبہ میٹھے مانس ملن کوئل مور چکور سیش للت چانگ رہیو بھوول بھر نور  
ماگلت دولت ہوئیں تچ گھرانٹ نہ جات تلی چانگ بھکت کو اپما دیت لجات  
اگرچہ شیریں مقال اور بھی پرندے ہیں مثلاً کوئل مور چکور مگر انکاس صاف نہیں۔ اسلئے  
تیری تعریف اے پیسے سارے جہان میں ہو تو ادھر ادھر ماگلتا پھرتا نہیں ہوا دراپنا گھر چوڑ کر نہیں جاتا۔  
تے تلی پہیا ایسا عاشق ہو کہ اسکی تشبیہ کسی دوسرے کے ساتھ دینے میں شرم آتی ہو مطلب یہ کہ

میں اور یہی پرندے عاشق مشہور ہیں۔ کوئل بسنت رُت۔ اور آم کو پھل پر موم بادل اور بجلی پر اور کچر چاند پر عاشق ہو۔ لیکن یہ تینوں پیپے کی مانند نہیں ہیں جو صرف ایک سواقی کا پانی پیتا ہے۔ اچھے اور برے خواہشات میں اور کھڑے کھڑے کھاتے ہیں۔ اس سے یہ غلیظ طبیعت کے جانور ہیں۔ ایک پیپا ہی سچا اور صاف طبیعت رکھنے والا ہے۔ کیونکہ سواقی کے بادل کے پانی کی ایک بوند کے سوائے اور کسی چیز کی خواہش نہیں کر سکتا۔ سچے عاشق الہی مثل پیپے کے ہیں جو صرف ایک خدا پر متوکل رہ کر اداسی کے عشق میں ڈوب کر طبیعت کو زندہ کرنے والی تمام دوسری خواہشات کو الوداع کہتے ہیں۔

انہی ذات پیپہ انچو پیت نہ نیر  
کے پانچ گن شام سوں کے دکھ ہے شمریہ  
پیپے کی ذات بڑی اونچی ہے کیونکہ وہ چنے پڑا ہوا پانی نہیں پیتا ہی یا تو بادل سے مانگتا ہی یا نہیں تو پھینکا  
رکلیف اٹھاتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو سچے عاشق حقیقی ہیں وہ خدا ہی سے مانگتے ہیں اور اس پر متوکل  
رکلیف اٹھاتے رہتے ہیں۔ مگر دوسروں سے نہیں مانگتے۔

تس چانگ مانگنو ایک ایک گھن دان  
دیت سو بھونجا جن بھرت لیٹ گھونٹا بھونٹا  
یاد میں پاچت نہیں تس ناسے نہیں لئے  
ایسوا منگستیں کو بار دین دے  
بنی یہ کہ تس پیپے کا مانگنا ایک ہی ہے اور بادل دینے والا ہی ایک ہی ہے بادل ایسا سخی ہو کہ جب بتا  
ہے ہوساری زمین کو بھر دیتا ہے۔ اور پیپا ایک قانع ہے کہ ایک ہی گھونٹ پانی کا پیتا ہے۔ اور پھر عاجزی کے  
ساتھ نہیں مانگتا اور گردن جھکا کر نہیں پیتا ہے۔ ایسے مغرور سا کل کو سوائے بادل ایسے سخی کے اور کون دیگا  
اس طرح وہ عاشق حقیقی ہیں اپنی ہٹ کو نہیں چھوڑتے۔ اگر مانگیں گے تو خدا ہی سے اور کسی سے نہیں۔ اور وہ  
انہی سے التجا ہی نہیں کرتے۔ اگر انکی خوشی ہے تو دے ورنہ نہ دے۔ وہ صابر اور قانع ہیں۔ اس لئے مانگنا  
بہی ایسے لوگوں کا سچا ہے۔ اور دنیا ہی اُسی کا سچا ہے جب دیتا ہے تو نہال کر دیتا ہے اور پھر لینے والے ہی  
یہ قانع ہیں کہ لیتے ہیں۔ اُسی قدر جوان کو چاہئے۔ اور باقی کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

مر مر تا چانگ تھے سواقی سدہ نہیں لڑ  
تس سیوک میں کہا جو صاحب نہیں دے  
یعنی یہ کہ طالب ندی وغیرہ تو پیپے نے چھوڑ دئے ہیں اور سواقی کا بادل خبر نہیں لیتا ہے  
لے تسی خادم کے ہاتھ میں کیا ہے جو صاحب نہیں دیتا ہے۔

تمام

# شہجہانی پریس دہلی کی خاص مطبوعات

## رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمہ

سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی چار سو ستترہ رباعیوں کا ترجمہ نظم ہی میں کیا گیا ہے۔ مثل رباعیات عمر خیام اور سہروردی میر فارسی رباعی کے تحت اردو رباعی بطور ترجمہ درج ہے۔ کتاب کی قطع بھی مذکورہ کتابوں کے برابر ہے۔ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی رباعیاں تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ حضرات صوفیہ کو رباعیات ابوالخیر سے ضرور فیضیاب ہونا چاہئے۔ قیمت بلا جلد ایک روپیہ جلد ہان بونڈ چھ جلد پارچہ چھ۔

رباعیات سہروردی مرحوم کے مع ترجمہ اردو جو ابھر منظوم۔ باضافہ رقعات حضرت سہروردی۔ حضرت سہروردی شہید کا اور نگار نگار عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہو گا لیکن حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے جیسا موثر نقشہ اسکا کھینچا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ پوری سوانح سہروردی آزاد کے قلم سے ہی اور اس کے ساتھ سہروردی کی تمام رباعیاں بھی مع ترجمہ منظوم موجود ہیں۔ رباعیات سہروردی اسلامی تصوف اور عارفانہ چٹکولوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ترجمہ میں ہی سہروردی کا مستانہ رنگ جھلک رہا ہے۔ قیمت بلا جلد ۱۲ جلد ہان بونڈ ۱۴۔ رباعیات عمر خیام کے مع ترجمہ منظوم تاج الکلام جس میں عمر خیام کی مفصل سوانح عمری بھی شامل ہے۔ سب سے پہلے عمر خیام کا نوٹ ہے۔ اس کے بعد اسی معنوں پر عمر خیام کی سوانح حیات ہے اور ایک سو باونے صفحات پر سات سو چھٹے فارسی کی عمر خیام کی کچھیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں باریک قلم سے ملک الکلام کی اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں۔ الغرض پورے تین سو صفحوں کا نادر مجموعہ جلد ہان بونڈ کا سودا دو روپیہ۔ جلد پارچہ دو ہان روپے۔

ملنے کا پتہ لاؤ۔ قربان علی۔ شاہجہانی پریس دفتر اردو معنی دہلی





